زمانہ کا چیلنج اور اس کا مقابلہ

پیام انسانیت کے کارکنوں کے درمیان کی گئی چند تقریروں کا مجموعہ

بلال عبد الحی حسنی ندوی

ناشر

سید احمد شہید اکیڈمی

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

طبع اول

اکتوبر ۲۰۲۵ء- جمادی الاولی ۱۴۴۷ھ

سید احمد شہید اکیڈمی

دار عرفات تکیہ کلاں رائے بریلی

کتاب: زمانہ کا چیلنج اور اس کا مقابلہ

مؤلف: بلال عبدالحی حسنی ندوی

مرتب: محمد ارمغان بدایونی ندوی

صفحات: ۱۴۴

قیمت: Rs.130/-

ملنے کے پتے :

☆ ابراہیم بک ڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی

☆ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء

☆ مکتبہ اسلام، گوئن روڈ، لکھنؤ

☆ مکتبۃ الشباب العلمیۃ، ندوہ روڈ لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

پیش لفظ ۴

پیام انسانیت پیغام امن ہے ۶

پیام انسانیت کی ضرورت اور افادیت ۱۶

حالات کا نیا رخ اور اس کا مقابلہ ۳۵

امت مسلمہ کا امتیاز اور اس کی ذمہ داری ۴۹

زمانہ کی نبض شناسی اور دانشوران ملت کا فریضہ ۶۷

ایمان واخلاق کے امتزاج کی ضرورت ۹۲

دنیائے انسانیت خطرات اور اندیشوں کے سایہ میں ۱۰۴

اقوام عالم میں امت مسلمہ کا وزن اور اس کا منصب ۱۱۶

نوجوانان ملت سے چند صاف صاف باتیں ۱۲۶

کارکنان پیام انسانیت سے چند اہم گزارشات ۱۳۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اس وقت اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں جو غلط فہمیاں پیدا کی جارہی ہیں، وہ ہمارے سامنے سب سے بڑا چیلنج ہے، یہ کام عالمی سطح پر بھی ہورہا ہے اور اس ملک میں بھی بڑی طاقت کے ساتھ یہ کام جاری ہے، ایک دور تھا کہ غزو فکری کے بنیادی طور پر تین مصادر بیان کیے جاتے تھے: ایک یہودیت، دوسرے نصرانیت اور تیسرے اشتراکیت، یا الحاد ولادینیت لیکن اس وقت ایک بڑا مصدر شدت پسند ہندتوا واد کا سامنے آیا ہے، ہندوستان میں خاص طور پر اس کے مراکز قائم ہیں اور میڈیا کا اس کے لیے بھرپور استعمال کیا جارہا ہے۔

اس کے مقابلہ کا ایک طریقہ دفاعی ہے کہ اس کے جوابات دیئے جائیں اور بہتر سے بہتر افراد اس کے لیے تیار کیے جائیں، دوسرا طریقہ اقدامی ہے، حملہ کرنے والے جن کے دامن داغ دار ہیں اور سر سے پا تک وہ انتہائی ناہمواریوں کا شکار ہیں، ان کی اصل شکل ان کو دکھائی جائے تاکہ حقیقت دنیا کے سامنے آسکے لیکن اس کا تیسرا طریقہ جو بڑا مؤثر بھی ہے اور قدرے آسان بھی اور اس کے متعدد فوائد ہیں، یہ ہے کہ خود اپنی زندگی سے اسلام کی صحیح تصویر پیش کی جائے، اس کے لیے سب سے مؤثر اور بہتر راستہ یہ ہے کہ سیرت طیبہ کو سامنے رکھا جائے اور اپنے کردار سے سب سے بڑھ کر اس کا نمونہ عالم انسانیت کے سامنے پیش کیا جائے۔

پیام انسانیت حقیقت میں اسی راستے کو اختیار کرنے کی ایک دعوت ہے، اپنے اخلاق سے اور خدمت سے دلوں کو جیتنا ؎

جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے آزادی کے بعد سے ہی یہ کام شروع فرمادیا تھا اور ۱۹۷۴ء میں الہ آباد شہر میں باقاعدہ اس کا بڑا اجلاس ہوا اور ایک تحریک کی شکل میں کام کا آغاز ہوا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے لیے پورے ملک میں سفر کیے، بڑے بڑے اجلاس ہوئے، ڈائیلاگ کیے گئے اور حضرت کی تقریروں کی شکل میں جو لٹریچر تیار ہوا وہ تقسیم کیا گیا، اپنوں کو سمجھانے کے لیے مولانا اسحاق جلیس صاحبؒ نے حضرت سے ایک انٹرویو لیا جو ہزاروں کی تعداد میں شائع کیا گیا۔

حضرت کی وفات کے بعد حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندویؒ کی سرپرستی میں مولانا عبداللہ حسنی صاحبؒ نے کام کو آگے بڑھایا اور خدمت خلق کی مختلف شکلیں اختیار کیں اور افراد سازی کے ذریعہ ایک کھیپ اس کام کے لیے تیار فرمادی۔

مولانا کی وفات کے بعد بھی الحمد للہ کام جاری ہے، رائے بریلی میں سالانہ اجلاس کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا جس میں ملک بھر کے کارکنان جمع ہو کر جائزہ لیتے ہیں اور نئے حوصلوں کے ساتھ کام کو آگے بڑھانے کی فکر لے کر واپس ہوتے ہیں۔

راقم سطور کو ان جلسوں میں بھی خطاب کرنے کا موقع ملتا رہا اور اس کے علاوہ مختلف علاقوں میں کام کی اہمیت پر گفتگو ہوتی رہی ہے۔ ان میں سے اہم خطابات کو ایک ضرورت سمجھ کر جمع کیا گیا ہے، شاید کسی کے لیے مہمیز کا کام دے۔ اس کتاب میں عم مخدوم و معظم حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندویؒ کی وہ فکر انگیز تقریر بھی شامل ہے جو انھوں نے پیام انسانیت کے سالانہ اجتماع ۲۸/اکتوبر ۲۰۱۸ء میں کی تھی۔

عزیز القدر مولوی محمد ارمغان بدایونی ندوی سلمہ دعا و شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے بہت کم وقت میں ان تقریروں کو جمع کیا، کمپوز کیا، تصحیح کی، اب راقم کی نظر ثانی کے بعد یہ رسالہ نذر قارئین ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور قوتِ عمل کا ذریعہ فرمائے۔ آمین!

بلال عبدالحی حسنی ندوی

۴/جمادی الاولیٰ ۱۴۴۷ھ — دائرۂ شاہ علم اللہ تکیہ کلاں، رائے بریلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیام انسانیت پیغام امن ہے

حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندویؒ

پیام انسانیت ایک بڑی تعبیر ہے جو حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے استعمال کی، جن حالات میں حضرت مولانا کو اس کا خیال آیا، ان حالات کی تاریخ کا اگر آپ مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اس وقت سب سے زیادہ خراب حالات تھے، یہ وہ زمانہ تھا جب عورتوں کو زندہ جلایا جا رہا تھا، حضرت مولانا کی تحریروں میں آپ اس کو پائیں گے کہ روزانہ نیشنل پریس میں یہ بات آتی تھی کہ جہیز کی وجہ سے یا آپس کے اختلافات کی وجہ سے، یا آپس کی کشمکش کی وجہ سے عورتوں کو زندہ جلایا جا رہا ہے۔

یہ کشمکش ہوتی ہے نفسانیت کی وجہ سے، آدمی صرف اپنے نفس کو دیکھتا ہے اور اپنے نفس کے فائدوں کو دیکھتا ہے، سب سے بڑا مرض نفسانیت ہے، اپنے ذاتی فائدے کو آدمی جب دوسرے کے فائدہ پر ترجیح دے گا تو کشمکش ہوگی اور بعد میں اس پر افسوس ہوتا ہے، اسی مسئلہ میں طلاق کا مسئلہ بھی ہے، نفسانیت کی وجہ سے، عدم تفاہم کی وجہ سے طلاق کے واقعات پیش آتے ہیں جو دونوں کی زندگی خراب کرتے ہیں، وہ بھی ایک مسئلہ ہے۔

اس کے علاوہ آپ دیکھتے ہیں ایسے ایسے واقعات پیش آتے ہیں، آپ اخبارات پڑھیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کثرت سے خودکشی کے واقعات ہو رہے ہیں،

بعض جگہ کی رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہزاروں کی تعداد میں خودکشی کے واقعات پیش آرہے ہیں۔ والدین اور اولاد کے درمیان کشمکش کے بھی واقعات ظہور پذیر ہیں، ابھی چند دن پہلے کے اخباروں میں آپ نے پڑھا ہوگا کہ ایک ماں نے اپنی کئی بیٹیوں کو جلا دیا اور خود بھی جل گئی۔ حوادث کا تناسب اس وقت بہت بڑھ گیا ہے۔

اس وقت مختلف ادیان میں جو کشمکش ہے وہ بھی باعث تشویش ہے، مختلف ادیان میں آپس میں جو تناقض ہے وہ بھی انتشار کا باعث ہے، ہندوستان میں زبانوں کا تشدد بھی ایک مسئلہ ہے، ایک صوبہ ایک زبان بولتا ہے، دوسرا صوبہ دوسری زبان بولتا ہے، اس طرح کے واقعات پیش آرہے ہیں کہ صوبہ صوبہ سے ٹکرانے لگا ہے، اس وقت کشمکش کا ماحول ہے، ٹکراؤ کا ماحول ہے، اس میں صرف مسلمان متاثر نہیں ہورہے ہیں، غیر مسلم بھی متاثر ہورہے ہیں اور دونوں کے درمیان کشمکش ہے۔

پیام انسانیت کا موضوع انسانوں کو انسانوں کے ساتھ رہنا سکھاتا ہے، انسان کس طرح رہے؟ تمدن اسی کو کہتے ہیں، تمدن میں مختلف عناصر ایک ساتھ رہتے ہیں، مدنیہ یا شہریہ یعنی شہری زندگی اس میں مختلف عناصر کے لوگ ایک ساتھ رہتے ہیں، اختلاف کے باوجود آپس میں مل کر رہتے ہیں، مختلف دیہاتوں کے لوگ مختلف شہروں کے لوگ ایک بڑے شہر میں آکر رہتے ہیں تو اس کو متمدن شہر کہتے ہیں۔ تمدن کی تعریف کی گئی ہے کہ اختلافات کے باوجود سب لوگ مل جل کر رہیں اور یہ اس وقت ہوگا جب سب ایک دوسرے کا تعاون کریں اور ایک دوسرے کو سمجھیں اور آپس میں مفاہمت ہو، جھگڑے سے بچیں، جھگڑا ہوگا تو دونوں کا نقصان ہوگا، اس کے لیے ضروری ہے کہ مفاہمت کا ماحول پیدا کیا جائے۔ حضرت مولاناؒ نے اس کو صرف ہندو مسلم کے درمیان تفاہم کے لیے قائم نہیں کیا تھا بلکہ پوری انسانیت کے لیے کیا تھا، انسانیت کے جو مختلف اجزاء ہیں ان کے درمیان تفاہم اور مفاہمت کے لیے قائم

کیا تھا، یہاں تک کہ یہ بھی تھا کہ حکومت کا بھی نقصان نہ ہو، حضرت مولاناؒ نے اس کی بہت سی مثالیں دی ہیں کہ پلیٹ فارم پر کیلے کا چھلکا پڑا تھا، حضرت مولانا اتر کر گئے، باوجود اس کے کہ ان کو کمزوری تھی اور اپنی لکڑی سے اس چھلکے کو باہر پھینک دیا، ٹرین پر جو مسافر تھے انہوں نے کہا: آپ نے کیوں تکلیف کی؟ کہنے لگے کہ کوئی شخص اگر جلدی میں تیزی سے آرہا ہو وہ پھسل کر نیچے گرے اور حادثہ پیش آجائے، ایسے ہی نل کھلا تھا، پانی بہہ رہا تھا، مولانا نے جا کر بند کر دیا، کسی نے کہا: آپ نے کیوں تکلیف کی؟ کہا: پانی کس کا ہے؟ ہمارے ہی مفاد کے لیے ہے، پانی ضائع ہو رہا ہے، یہ شعور پیدا کرنے کے لیے اور انسانیت سوز واقعات کی روک تھام کے لیے مولانا نے یہ کام شروع کیا، پیامِ انسانیت کا مطلب یہ ہے کہ انسانیت کی جو قدریں ہیں، ان قدروں کو لوگوں تک پہنچایا جائے، کیسے انسان انسان کے ساتھ رہے۔

انسان اور حیوان میں فرق ہے، حیوان میں خودغرضی ہوتی ہے، انسان کی تعریف یہ ہے کہ انسان انس سے ہے، اجتماعیت سے ہے، انسان کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ حیوان اجتماعی ہے، عربی میں ہے کہ انسان انس سے ہے تو انس ہونا چاہیے، انس کا ماحول پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اختلافات کے جو اسباب ہیں ان کو دور کیا جائے، تب انس پیدا ہوگا، اگر گھر کے افراد میں انس نہیں ہوگا تو گھر گھر میں ٹکراؤ ہوگا، اس کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں کو بتایا جائے کہ بحیثیت انسان کس طرح زندگی گزاری جائے، قرآن کریم نے دونوں طرح خطاب کیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ﴾ اور ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾

من حیث العموم انسانوں کو بھی مخاطب کیا گیا ہے، احادیث میں بکثرت اس طرح کے واقعات ہیں، اس کا تعلق مذہب سے یا صرف مسلمانوں سے نہیں ہے مثلاً:

"إماطة الأذى عن الطريق"

یعنی راستہ سے رکاوٹ دور کردی جائے، اینٹ پتھر کانٹا وغیرہ جس سے تکلیف کا اندیشہ ہو اس کو دور کرنا یہ ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ اتنا معمولی کام، آپ دیکھیں کہ پیام انسانیت کے لیے اس سے زیادہ اہمیت کس چیز میں ہے، اسلام نے اس پر زور دیا ہے کہ راستہ سے تکلیف دہ پتھر جس سے کسی کو بھی ٹھوکر لگ سکتی ہو چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم ،اس کا بھی خیال کیا گیا ہے، جانوروں کے ساتھ حسن سلوک، اس کی بہت اہمیت ہے، آپ ﷺ نے ناگواری کا اظہار فرمایا جب اس نے شکایت کی مثلاً: اونٹ پر سامان زیادہ لاد دیا گیا، یہاں تک کہ ذبح کرتے وقت چھری تیز ہونی چاہیے تاکہ کم سے کم تکلیف ہو۔

اسلام کا یہ پیغام کسی دوسرے مذہب میں نہیں ہے، انسانیت کے سکون وامن کا پیغام اسلام میں ہے اور اس وقت دنیا میں جو کچھ فساد ہے وہ اسی وجہ سے ہے، جو حقوق سے واقف نہیں وہ اس پر عمل نہیں کرتے، آپ دیکھیں والدین اور اولاد کے درمیان کثرت سے کشمکش کے واقعات سامنے آرہے ہیں، پڑوسی پڑوسی کے درمیان کشمکش کے واقعات، ان سب کا تعلق مذہب سے نہیں بلکہ عام معاشرہ میں یہ بات پائی جارہی ہے، ہم پیام انسانیت کے ذریعہ پورے معاشرہ کو واقف کرانا چاہتے ہیں کہ بحیثیت انسان کے زندہ رہنے کا کیا طریقہ ہے؟ اس سے امن قائم ہوسکتا ہے، اگر ہم یہ کہیں کہ یہ پیام انسانیت نہیں بلکہ پیام امن ہے اور پیغام امن ہے، پیام انسانیت کا پلیٹ فارم پیغام امن دیتا ہے کہ یہ لوگ امن کے ساتھ ہیں، امن کے ساتھ رہیں گے، اگر امن کا ماحول ہوگا تو سب عافیت کے ساتھ رہیں گے، مولانا کہتے تھے اپنے گھروں کی دیواروں کو نیچا کرلو اور یہ کہتے تھے: ہم جس گھر میں رہتے ہیں یہ چھوٹا گھر ہے اور باہر کا جو ماحول ہے وہ بڑا گھر ہے، اگر باہر کا ماحول امن کا نہیں ہے تو گھر میں بھی امن نہیں ہوسکتا، اس لیے ضروری ہے کہ پڑوس میں امن ہو، اگر بدامنی کا ماحول پیدا ہورہا ہے، فساد و بگاڑ پیدا ہورہا ہے تو اس کو دور کرنے کی کوشش کی جائے، ایک

دوسرے کی معاونت کی جائے، اسی جذبہ سے حضرت مولانا نے دو کام شروع کیے؛ پیام انسانیت سب کے لیے اور اصلاح معاشرہ مسلمانوں کے لیے۔

پیام انسانیت کے لیے مولانا نے ڈائیلاگ کیے، دانشوروں کو جمع کیا، اس کی اہمیت بتائی، ہمیں کئی بار شرکت کا موقع ملا، اس وقت بعض وزیر یا دانشور جمع ہوئے ان سب نے اس کا اعتراف کیا، مولانا نے پٹنہ میں ایک جلسہ کا ذکر کیا ہے جس میں آر ایس ایس کے لیڈر آئے تھے، انہوں نے بعد میں مولانا سے اپنے تعجب کا اظہار کیا کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کو اس ملک سے کوئی تعلق نہیں ہے، ان کو صرف اپنی ذات سے تعلق ہے، لیکن آپ کی تقریر سے ہم کو اس کا اندازہ ہو گیا کہ آپ کو ہم سے زیادہ اس ملک کی فکر ہے، اگر ملک کا ماحول پر امن ہو گا تو لوگ بھی پر امن ہوں گے۔

حضرت مولانا نے یہ کام شروع کیا تھا، اس کے بعد مولانا عبداللہ حسنی رحمہ اللہ نے اس کو آگے بڑھایا، اب مولانا بلال حسنی نے اس کام کو وسعت دی اور آل انڈیا بنا دیا، یہ جتنے یہاں جمع ہیں مختلف علاقوں سے اور مختلف شہروں سے' سب عاملین ہیں، آپ سب نے اپنے تجربات بیان کیے، ان تجربات کی روشنی میں اس کام کو آگے بڑھایا جائے گا۔

پہلی بات تو یہ کہ آپس میں ملاقات کا ماحول پیدا کیا جائے تو وہ ایک دوسرے کو سمجھنے میں مفید اور معین ہوگا اور یہ بات کہی جاتی ہے کہ دعوت اسلام کا کام کرنا چاہیے تو دعوت اسلام کا کام الگ ہے، آپ کو داعی امت بنا کر بھیجا گیا ہے، یہ امت امت دعوت ہے لیکن آپ یہ سوچیے کہ قرآن مجید میں اس امت کی جو خصوصیت بیان کی گئی ہے وہ کیا ہے؟

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

(تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے برپا کی گئی ہے تم بھلائی کی تلقین کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔)

یہاں ﴿تُؤمِنُونَ بِاللّٰهِ﴾ تیسرے درجہ میں آیا ہے اور ﴿تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ پہلے ذکر کیا گیا ہے، اس کے بعد ایمان کا ذکر ہے، ایمان کا ماحول بننا چاہیے، صلح حدیبیہ میں کیا ہوا؟ صلح حدیبیہ کے بارے میں آتا ہے کہ سب سے زیادہ مسلمان صلح حدیبیہ کے بعد ہوئے، جب آپس میں ایک دوسرے سے ملے۔

اس وقت کا سب سے بڑا مسئلہ مسلمانوں کے تعلق سے ہے، سخت غلط فہمی ہے، آپ لٹریچر پڑھیے عداوت سے بھرا ہے، مستشرقین کا لٹریچر ہے، وہ اس قدر مسلمانوں کے خلاف ہے کہ جو پڑھے گا وہ خود اسلام کا دشمن بن جائے گا، پھر آپس میں نفسیاتی دیوار حائل ہے، ملتے نہیں تو وہ تاثر جو لٹریچر سے پیدا ہو رہا ہے وہ قائم رہے گا کہ مسلمان قاتل، مسلمان مجرم، مسلمان تمدن کے دشمن، مسلمان ترقی کا دشمن، اس وقت لٹریچر تیزی سے پھیل رہا ہے کہ مسلمان تمدن کا دشمن ہے، مسلمان غیر مسلم کا دشمن ہے، گویا اسلام دشمنی کا مذہب ہے، یہ پورا لٹریچر ہے، جتنا علم بڑھے گا اس قدر اسلام دشمنی میں اضافہ ہوگا، اس کا حل یہی ہے کہ آپ کا ملنا جلنا ہو، ملنے کے مواقع بڑھیں گے تو وہ سمجھیں گے کہ مسلمان ہمارے جیسے انسان ہیں، ان کے احساسات ہماری طرح ہیں اور کتابوں میں جو پڑھا ہے وہ صحیح نہیں ہے، یورپ میں کثرت سے ایسے واقعات پیش آرہے ہیں کہ جنہوں نے اسلام کو لٹریچر میں پڑھا ان کا اپنا لٹریچر تو وہ دشمن ہو گئے پھر وہ مسلم ماحول میں آئے اور مسلمانوں کو دیکھا تو مسلمان ہو گئے۔

کارنر نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے اخلاق سے جتنے لوگ مسلمان ہوئے تلوار سے نہیں ہوئے، **Arnold** کی کتاب **(The Preaching Of Islam)** میں یہ بات لکھی ہے بہت قوت سے اور مثالوں سے کہ حضرت نظام الدین اولیاء کی مجلس میں ہندوؤں کی تعداد زیادہ ہوتی تھی، اس طرح کے واقعات لکھے ہیں کہ وہاں جا کر ان کو سکون ملتا تھا، بہت سے لوگوں کے بارے میں سنا ہے کہ ندوہ آکر ان کو سکون

ملا، ایک بی جے پی کا بڑا لیڈر دہلی میں تھا وہ وہیں ایم پی بھی ہوا، ہم اس کو جانتے تھے، وہ آیا اس کو لکھنؤ گھمایا، پھر اس نے کہا: ندوہ دیکھیں گے، وہ ندوہ دیکھنے گیا، ہم اس کے ساتھ تھے، اس کو ندوہ گھمایا، اس نے ندوہ میں رہ کر کہا: یہاں ہم کو اتنا سکون ملا جو ہم کو اس سے پہلے کہیں نہیں ملا، اتنے اچھے ماحول میں آپ رہتے ہیں، وہ بی جے پی کا بڑا لیڈر تھا، بڑا دانشور تھا۔ ایسے ہی کئی غیر مسلموں کے بارے میں سنا کہ وہ ندوہ آئے، وہاں رہ کر تھوڑی دیر میں انہوں نے اپنا تاثر یہ بیان کیا کہ زندگی میں ایسا سکون کہیں نہیں ملا، جتنا تھوڑی دیر کے لیے یہاں سکون ملا، کئی متعدد غیر مسلم افسران کے بارے میں یہ سنا کہ وہ کہتے ہیں آپ اتنے خوش گوار ماحول میں رہتے ہیں، لکھنؤ یونیورسٹی کا وائس چانسلر ندوہ آیا، جب ایک مرتبہ لڑائی جھگڑا ہوا تھا، وہ ندوہ میں بہت دیر رہا، پھر اس نے کہا: ایسا پرسکون ماحول نہیں دیکھا، ہماری یونیورسٹی میں روز جھگڑا ہوتا ہے، وہاں فتنہ فساد ہوتا ہے، ابھی گورنر گیا تھا لکھنؤ یونیورسٹی، اس نے کہا: یہ یونیورسٹی کیسی ہے، یہاں ڈسپلن ہی نہیں ہے، اتنا ہنگامہ، تو جو لوگ اچھے مسلمانوں سے ملیں گے، اچھے ماحول میں تھوڑی دیر رہیں گے، وہ اس بات کو سمجھیں گے اور یہ چیز ان کو پیام انسانیت کے جلسہ میں آنے سے اور ساتھ بیٹھنے سے ملے گی۔

آپ ایسے لوگوں کو دعوت دیں جو بہت زیادہ دشمنی رکھتے ہیں، آپ ان کو بلائیں، اگر وہ تھوڑی دیر کے لیے آجائیں تو آپ دیکھیں گے کہ ان کا ذہن بدل جائے گا، آپ ان سے امن کی بات کریں، مذہب کی بات نہ کریں، مولانا اس سلسلہ میں بہت احتیاط کرتے تھے، یہاں تک کہ وہ بسم اللہ اور خطبہ نہیں پڑھتے تھے، وہ اپنی بات اس طرح شروع کرتے تھے جس سے کوئی مذہبی بات سامنے نہ آئے، وہ مذہبی بات سے منع کرتے تھے، مذہبی بات سے منافرت پیدا ہوگی، ظاہر ہے اس شخص کا اپنے مذہب سے تعلق ہوتا ہے، انسانیت کی بات کریں، انسانیت کی فلاح پر بات کریں،

امن کے وسائل پر بات کریں، جرائم کا ذکر کریں کہ اس سے کتنا نقصان پہنچ رہا ہے، سماج میں جو انتشار ہے اس پر بات کریں، ایسی بات کریں جس سے سب کو اتفاق ہو کیوں کہ جب سب کو اتفاق ہوگا تو آپ کے بولنے کو لوگ پسند کریں گے۔

اصل میں پیام انسانیت امن کی دعوت ہے، ہماری دعوت یہ ہے کہ سب لوگ امن سے رہیں، ہماری دعوت مذہب کی نہیں، مذہب کی بات مذہب والوں سے کی جائے گی، اس کے لیے اصلاح معاشرہ ہے اور دوسرے مواقع ہیں، تبلیغی جماعت ہے وہ مسلمانوں میں جو خرابیاں ہیں ان کو دور کرنے کی کوشش کریں، ان کو اچھا شہری بنائیں تا کہ ان کے تعلق سے جو غلط فہمیاں ہیں اور جو برا تاثر ہے وہ ختم ہو اور ان کا اچھا اثر پڑے۔

دونوں کام الگ الگ ہیں، پیام انسانیت پورے ملک کے مفاد میں ہے، ملک کا ماحول اس سے اچھا ہوگا اور پھر آپ دعوت کا کام کر سکتے ہیں، آپ ان کے پاس لٹریچر بھی پہنچا سکتے ہیں، لٹریچر پڑھ کر بہت سے لوگ مسلمان ہوئے، سیرت پڑھ کر بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہوئے، اس کے لیے راستہ دوسرا ہے، یہ بہت مبارک کام ہے، آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ اس کو بڑھائیں اور یہ نفسیاتی دیوار اس لیے حائل کی جارہی ہے، اس کا ایک تاریخی پس منظر ہے، مسلمانوں کے عہد سے یہ کوشش کی گئی ہے کہ مسلمانوں سے رابطہ نہ ہو، اس کے لیے نفسیاتی دیوار حائل کی گئی ہے اور یہ سب ان کی تحریکوں نے اپنے بچاؤ کے لیے کیا، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب اختلاط ہوگا تو مناسبت پیدا ہوگی، اسی مناسبت کو روکنے کے لیے یہ سب کیا جارہا ہے، اسلام اور غیر اسلام کے درمیان اور مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کے درمیان حائل ہوا جارہا ہے اور یہ سب نفسانی اغراض کا نتیجہ ہے، اس لیے آپ کو یہ دیوار گرانی ہے، اپنے سلوک کے ذریعہ، اپنے اخلاق کے ذریعہ، اپنے معاملات کے ذریعہ، ان کے ساتھ ہمدردی کر کے اور صرف یہ نہیں کہ آپ ہسپتالوں میں جائیں یا کچھ پروگرام کرلیں بلکہ

ان سے رابطہ کریں، ان سے ہمدردی کریں اور یہ سب اپنے مذہب پر مکمل عمل کرتے ہوئے کریں، احتیاط کے ساتھ کریں، آپ ان سے تعلقات قائم کریں لیکن محتاط طریقہ سے، قرآن مجید میں اس کا ذکر ہے، لیکن دوستی سے منع کیا گیا ہے، دل میں ان کی محبت نہ ہو، لیکن آپس میں ایک دوسرے سے رابطہ ہو، یہاں تک حکم ہے:

﴿فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ﴾ (التوبة: ٦)

(تو آپ اسے پناہ دے دیجیے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اسے اس کی اطمینان کی جگہ پہنچا دیجیے۔)

یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ اگر مشرک مل جائے تو مار دو، جنگ کی حالت میں بھی اگر مشرک پناہ کی درخواست کرے تو اس کو پناہ دی جائے گی، حکم ہے کہ اس کو پناہ دو، اس کی حفاظت کرو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے کلام کو سن لے پھر حفاظت سے اس کو اس کے مقام تک پہنچا دو، یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ کی موجودگی میں اس کو کوئی نقصان نہ پہنچائے، قرآن کتنی تاکید کررہا ہے، ﴿فَأَجِرْهُ﴾ اس کو پناہ دو، ﴿ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ﴾ پھر اس کو اس کے مقام تک پہنچا دو، یہ نہیں کہ وہ اکیلا مل گیا تو اب خیر نہیں۔

قرآن کی دعوت انسانیت کے لیے ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کلکم من آدم وآدم من تراب"

یعنی سارے مذہب والے ابن آدم ہیں اور وہ سب ایک خاندان کے افراد ہیں، ان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرنا چاہیے جیسے خاندان کے افراد کے ساتھ کیا جاتا ہے، یہ قرآن کی تعلیم ہے، سیرت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ ذات الرقاع سے واپس ہوئے تو دوپہر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی جگہ آرام فرمایا جہاں ببول کے بہت سے درخت تھے، سب لوگ ان درختوں کی طرف چلے گئے اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم ببول کے ایک پیڑ کے نیچے آرام فرمانے لگے اور اپنی تلوار اسی

درخت پر لٹکا دی، اسی درمیان ایک اعرابی آپ ﷺ کے پاس آیا، اس نے تلوار اٹھائی اور کہا کہ اس وقت مجھ سے تمہیں کون بچا سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے کہا: اللہ! اسی وقت تلوار اس سے گر گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار لے لی اور اس سے کہا: اب تم بتاؤ کہ تم کو کون بچائے گا؟ اس نے کہا: "کن خیر عادل"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جانے دیا، بعد میں وہ مسلمان ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوچتے کہ اب موقع ملا ہے اس کو مار دیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں کیا بلکہ اس کو جانے دیا۔ یہ حسن سلوک ہے اور یہی سب سے بڑا ذریعہ ہے انس پیدا کرنے کا۔ اپنا پیغام پہنچانے کے اس سے مواقع ملتے ہیں۔

یہ کچھ باتیں تھیں جو اللہ تعالیٰ نے ذہن میں ڈال دیں، اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

۲۲؍ستمبر۲۰۲۴ء
کرنول، آندھرا پردیش

پیام انسانیت کی ضرورت اور افادیت

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا ونبینا ومولانا محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ أجمعین وعلیٰ من تبعھم بإحسان ودعا بدعوتھم إلیٰ یوم الدین أما بعد، فأعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم: ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْاْ إِلَى كَلَمَةٍ سَوَاء بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللّهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهِ شَيْئاً وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ﴾ صدق اللّٰہ العظیم.

محترم علمائے کرام، دانشورانِ ملت اور میرے دینی وایمانی بھائیو!

اس وقت اس ملک میں ہم جن حالات سے گزر رہے ہیں اور کم وبیش ساری دنیا میں اس وقت مسلمان ہی کیا' اگر یہ کہا جائے کہ ساری دنیائے انسانیت سخت حالات سے دوچار ہے تو غلط نہ ہوگا، اگر دیکھا جائے تو بعض حیثیتوں سے یہ حالات انتہائی خطرناک ہیں، جو حضرات تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس سے زیادہ خطرناک حالات بھی گزر چکے ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ آج وسائل کی بہتات ہے اور ہر طرح کی سہولتیں موجود ہیں، اگر کوئی غلط رخ دیا جاتا ہے تو اس کا خطرہ ہوتا ہے کہ وہ چیز ایک ایک گھر تک پہنچ جائے اور اکثر لوگ دھوکے میں پڑ جائیں اور اس خطرہ کا شکار ہوجائیں، اس حیثیت سے اگر آپ دیکھئے تو آج کے حالات میں ہمارے سامنے بڑی نزاکتیں ہیں۔

ہمیں ان حالات کا مقابلہ کس طرح کرنا چاہیے؟ اس کے لیے ہمیں تاریخ سے سبق لینے کی ضرورت ہے، اس سلسلہ میں اندلس کی مثال دی جاسکتی ہے جہاں مسلمانوں نے سینکڑوں سال حکومت کی بلکہ ہندوستان میں مسلمانوں کی جو مدتِ حکومت ہے' اندلس کی مدت اس سے بھی زیادہ ہے، لیکن اس کے بعد وہاں جو ہوا وہ آپ جانتے ہیں، وہاں ایک دن میں پانچ لاکھ مسلمانوں کو زندہ جلا دیا گیا اور ہر کلمہ گو سے یہ بات کہی گئی کہ تم یہاں سے نکل جاؤ پھر ان کو سمندر میں دھکیل دیا گیا، اس کے بعد ایک وقت ایسا آیا کہ وہی اندلس جہاں بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے، جہاں ایسی وقیع کتابیں لکھی گئیں جو آج تک مدارس اسلامیہ کے نصاب میں شامل ہیں، وہاں کوئی کلمہ گو باقی نہ رہا اور اسلام کو مٹا دیا گیا۔

تاریخ میں اندلس کا یہ سانحہ ایک بہت بڑی مثال ہے جس سے ہم سبق لے سکتے ہیں، ہم یہ نہ سمجھیں کہ ہماری یہ سرزمین وہ ہے کہ یہاں بڑے بڑے مشائخ پیدا ہوئے، یہاں بڑے بڑے مدارس قائم ہیں تو یہاں اسلام کو کون مٹا سکتا ہے؟

میں تاریخ کی ایک دوسری مثال بھی آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں، ہمارے ایک بہت محبوب وعزیز انجینئر عبدالرشید صاحب جو اللہ کے فضل سے ۵۰؍سال مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی ؐ کی خدمت کرتے رہے، جب وہ ترکمانستان کے علاقے میں گئے تو انہوں نے اپنی کارگزاری سنائی، یہ وہ علاقے ہیں جو روس (سوویت یونین) سے آزاد ہوئے تھے، وہاں ان کی ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی جو بڑی عمر کے تھے، ان بزرگ نے فرمایا کہ بھائی عبدالرشید صاحب! میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں، آپ وہ بات ہندوستان کے مسلمانوں کو پہنچا دیجیے' یہ میری وصیت ہے، پھر وہ کہنے لگے کہ میں یہاں رہتا ہوں اور میرے باپ دادا یہاں زمانۂ دراز سے رہتے چلے آئے ہیں، کبھی بھی ہمارے ذہن ودماغ میں نہیں آیا کہ یہاں ایسی صورت حال پیدا ہوگی کہ ہمارا وجود مشکل ہوجائے گا، پھر انہوں نے ایک عجیب واقعہ سنایا، کہنے لگے کہ جب

یہاں سرخ انقلاب آیا اور کمیونسٹ غالب ہوگئے، وہ دین کے دشمن لامذہب لوگ تھے، انہوں نے اسلامی آثار مٹائے، اذانوں پر پابندی لگائی، نمازوں پر پابندی لگائی، برقعوں پر پابندی لگائی، یہاں تک کہ ایک دن یہ قصہ پیش آیا کہ میری بچیاں اور اہلیہ برقع میں باہر نکلیں، تو دیکھا کہ ایک چوراہے پر آگ بھڑک رہی تھی اور لوگ کھڑے تھے، ان لوگوں نے میرے گھر والوں سے کہا کہ آپ یہ برقع اتار دیجیے ورنہ اس آگ میں کودنے کے لیے تیار ہوجایئے، مگر ہماری اہلیہ اس بات پر راضی نہ ہوئیں، جس پر وہ بولے کہ اگر آپ برقع نہیں اتار سکتیں تو آگ میں کود جایئے، پھر وہ لوگ آگے بڑھے اور ان کو اٹھا کر آگ میں جھونک دیا، وہ کہتے ہیں کہ اس پر میرے اوپر جو بیتی وہ تو بیتی، اب اس کے بعد میری بچیوں کی باری تھی، میں نے ان سے کہا کہ بچیو! برقع اتار دو اور اپنے گھروں میں چلی جاؤ، ان بچیوں نے برقع اتارا پھر وہ گھروں میں ایسی داخل ہوئیں کہ زندگی بھر اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلیں۔

یہ واقعہ سنا کر انہوں نے جو بات کہی وہ اصل ہے، وہ کہنے لگے کہ ہندوستانی مسلمانوں کو ہماری طرف سے یہ وصیت کردیجیے، یہ وہ جگہ ہے جہاں صحیح بخاری وصحیح مسلم لکھی گئیں، حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ جیسا صاحب سلسلہ بزرگ پیدا ہوا، صاحب ہدایہ امام مرغینانیؒ کی قبر یہیں ہے، امام سرخسیؒ جنہوں نے کئی جلدوں میں کتابیں لکھیں اور وہ آج بھی ہمارے نصاب میں شامل ہیں، وہ سارے کے سارے حضرات یہاں پیدا ہوئے، یہاں اسلام کا غلغلہ تھا اور علم کا چرچا تھا، لیکن اس کے بعد جو انقلاب آیا' اس نے پانی پھیر دیا۔ وہ کہنے لگے کہ میری بات غور سے سنئے، ہمیں یہ جو کچھ بھگتنا پڑا' اس کا کبھی تصور نہ تھا کہ یہ سب ہوگا، پھر ہم نے جب اپنا جائزہ لیا تو اندازہ ہوا کہ ہمیں ان حالات کا سامنا صرف اس لیے کرنا پڑا کہ ہم نے یہاں کی غیر مسلم آبادی کو نظر انداز کیا، ہم نے سوچا بھی نہیں کہ بات کہاں تک پہنچے گی؟ ان کی سوچ کیا ہے؟ پھر ان کے نتائج ہمارے سامنے کیا آئیں گے؟

ہمارے حضرت مولانا علی میاںؒ بار بار یہ بات کہتے تھے اور اس وقت سے کہتے تھے جب شاید لوگ سوچنے کے لیے بھی تیار نہ ہوں گے، مولانا کہتے تھے: ہماری نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ اس ملک کو اسپین بنانے کا پورا نقشہ تیار ہے، اگر ہمارے علماء میدان میں نہ آئے اور انہوں نے تیاری نہ کی تو اس ملک کو اسپین بنانے سے کوئی طاقت نہیں بچا سکتی، اس کے لیے پوری تیاری ہو چکی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ آج سے پچاس سال پہلے جب یہ بات کہی جا رہی تھی تو لوگ اس کو ایک ہوائی بات سمجھتے تھے، یہی وہ خطرہ تھا جس کے پیش نظر حضرت مولانا نے آج سے تقریباً ۷۰ر سال پہلے ''پیام انسانیت'' کا یہ کام شروع کیا، جب یہ ملک آزاد ہوا اور تقسیم ہوا، اسی وقت مولانا کو یہ اندازہ ہو گیا کہ یہاں کی آبادیوں کو تقسیم کر کے یہاں حکمرانی کرنے والے جو سات سمندر پار سے آئے تھے وہ چلے گئے، لیکن یہاں کے رہنے والوں میں وہ ایسی دراڑیں پیدا کر گئے کہ اب ان کو ملانا آسان کام نہیں۔ یاد رکھئے! اگر یہ دراڑیں بڑھیں گی تو اس ملک میں جہاں اب تک مسلمان عزت کے ساتھ رہے ہیں، ان کا عزت کے ساتھ رہنا مشکل ہو جائے گا۔

حضرت مولانا نے اسی زمانے سے بڑی سطح پر مخلوط اجتماعات شروع کیے اور ۱۹۷۴ء میں الٰہ آباد سے باقاعدہ تحریک پیام انسانیت کا آغاز کیا، اس وقت یہ باتیں سامنے آتی تھیں کہ مولانا! آپ نے یہ کیا کام شروع کر دیا اور آپ نے ایک نئی تحریک کیوں شروع کر دی؟ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ میں کوئی نیا کام نہیں کر رہا ہوں، میں آپ کی تحریکوں کے لیے، آپ کے دینی اداروں کے لیے، آپ کے مدرسوں کے لیے اور تبلیغی چلت پھرت کے لیے ایک ایسا حصار قائم کر رہا ہوں کہ یہ سب کام باقی رہیں۔ یاد رکھئے! اگر آپ نے اس کام کی اہمیت کو نہ سمجھا اور اس کے لیے آگے نہ بڑھے تو یہ سارے کام خطرہ میں ہیں۔

شاید اس وقت یہ بات لوگوں کی سمجھ میں اس طرح نہیں آتی تھی، جس قدر اب

اس کی اہمیت اور نافعیت کو تسلیم کیا جا رہا ہے۔ تقریباً گزشتہ ایک دہائی سے ہر فرد بشر اس بات کو سمجھ رہا ہے کہ اگر ہمارے سامنے کوئی نئی حکمت عملی نہ آئی اور اس کو اپنے سامنے رکھ کر ہم نے کام کا آغاز نہ کیا تو ہمارا وجود یہاں خطرہ میں پڑ جائے گا، آج اس ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب آپ جانتے ہیں۔

اللہ کا شکر ہے کہ اللہ نے ہمارے علماء کو یہ بصیرت دی اور انہوں نے آج سے پچاس سال پہلے یہ کام شروع کر دیا تھا، اگر یہ کام آج شروع کیا جاتا تو ہو سکتا تھا کہ لوگوں کی زبانیں کھل جاتیں اور لوگ کہتے کہ آپ نے یہ کام کیسے شروع کر دیا؟ آپ کے سامنے یہ حالات آئے تو اب آپ نے یہ کام شروع کیا؟ اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے بڑوں نے یہ کام جب شروع کیا تھا تو اس وقت ان حالات کا تصور بھی نہیں تھا، بعض لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ یہ وحدتِ ادیان کا کام ہے، مولانا فرماتے تھے کہ یہ وحدتِ ادیان نہیں، وحدتِ انسان کا کام ہے، ہم انسانی بنیادوں پر دعوت دیتے ہیں، مذہبی بنیادوں پر دعوت نہیں دیتے۔

مکہ مکرمہ میں یہ سورہ شریفہ نازل ہوئی:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ☆ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ☆ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ☆ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدتُّمْ ☆ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ☆ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ﴾ (الکافرون: ١-٦)

(کہہ دیجیے اے انکار کرنے والو! میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں اور نہ مجھے اس کی عبادت کرنی ہے جس کی عبادت تم کرتے رہے ہو اور نہ تمہیں اس کی عبادت کرنی ہے جس کی عبادت میں کرتا ہوں، تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔)

آج کے ان حالات میں جب کہ مذہبی بنیادوں پر اور ذات کی بنیادوں پر

لوگوں کو بانٹنے کی کوشش کی جارہی ہے، ایسی صورت حال میں اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ہم لوگوں میں آپس کی محبتیں پیدا کرنے کے لیے اور انسانیت کی بنیادوں پر ان کو جوڑنے کے لیے ایسی شکلیں اختیار کریں کہ مذہب کو بیچ میں نہ لایا جائے، ہماری نیتیں اور ہمارے ارادے اپنی جگہ پر لیکن اگر ہم مذہب کو بیچ میں لائے تو وہی صورت حال پیدا ہوگی جس کا خدشہ ظاہر کیا گیا تھا وحدت ادیان کی صورت میں۔ ہم ان سے اپنی بات کہیں گے تو وہ بھی اپنی بات کہیں گے اور اس کو بھی ٹھیک بتائیں گے، ظاہر ہے سب تو ٹھیک نہیں ہے، ٹھیک تو صرف ایک ہی بات ہے، اسی لیے یہ بات کہی جاتی ہے کہ راستہ بھی ایک ہے اور منزل بھی ایک ہے۔ یہ بات بالکل غلط ہے جو کہی جاتی ہے کہ منزل ایک ہے تاہم راستے الگ الگ ہیں، اس منزل تک پہنچنے کے لیے صرف ایک راستہ ہے جو ہمارے آقا حضرت محمد عربی ﷺ نے ہم کو دیا ہے، اس سے ہٹ کر اگر کوئی راستہ اختیار کرے گا تو وہ منزل سے بھٹک جائے گا، لیکن آج اس منزل سے قریب کرنے کے لیے جو دوسرے راستوں پر چلنے والے لوگ ہیں، انسانیت کی بنیادوں پر ان کو ہمیں قریب کرنے کی کوشش کرنا ہے۔

پیام انسانیت کا کام حقیقت میں لوگوں کو قریب کرنے کا کام ہے، آج کے اس دور میں جب کہ لوگوں کو بانٹا جارہا ہے، دشمنیاں پیدا کی جارہی ہیں، لوگوں کی جانیں لی جارہی ہیں، اس کے لیے ساری تدبیریں اختیار کی جارہی ہیں' ہمارے سامنے صرف یہی ایک راستہ ہے۔

میرے دوستو اور بھائیو!

حقیقت میں یہ وہ راستہ ہے جو ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سکھایا، میں نے آپ کے سامنے جو آیت پڑھی، اس میں ارشاد ہے:

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن

دُونِ اللّٰہِ﴾ (آل عمران: ٦٤)

(آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب ایسی بات کی طرف آجاؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے (وہ یہ) کہ ہم صرف اللہ کی بندگی کریں اور اس کے ساتھ کچھ بھی شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب نہ بنالے۔)

آپ غور کیجیے کہ اہل کتاب کو قریب کرنے کے لیے جس چیز کو کلمہ سواء قرار دیا گیا، وہ کیا تھا؟ آپ ﷺ توحید کے داعی تھے اور وہ قومیں توحید کی مدعی تھیں، تاہم حقیقت توحید سے عاری تھیں، وہ صرف ایک صورت کا اشتراک تھا، اسی کو سامنے رکھ کر اسے ایک Common Point بنایا گیا ہے۔

یاد رکھئے! یہ Common Point دعوت کا سب سے پہلا قدم ہے، حضرت مولاناؒ داعیوں کو خطاب کر کے یہ بات اس طرح کہتے تھے کہ آپ کو جن لوگوں کو دعوت دینی ہے، آپ پہلے اس دروازے کو تلاش کیجیے جو کھلا ہوا ہے، جب آپ اجازت لے کر کھلے دروازے سے ایک مرتبہ داخل ہوں گے تو آپ کے لیے سارے دروازے کھل جائیں گے، لیکن اگر آپ نے دروازہ توڑنے کی کوشش کی تو آپ کی حیثیت ڈاکو کی ہوگی، آپ کی بات سننے کا کوئی روادار نہ ہوگا اور آپ بالکل ایک چور وڈاکو کی طرح باہر کردیئے جائیں گے۔ حضرت مولانا کہتے تھے کہ اس ملک کے اندر شرک میں ڈوبے ہوئے لوگ ہیں، کہا جاتا ہے کہ یہ وہ ملک ہے جہاں کروڑوں دیوتاؤں کی پوجا ہوتی ہے، ”جتنے کنکر اتنے شنکر“ مثل مشہور ہے، مولانا کہتے تھے کہ ان کے لیے آپ Common Point تلاش کیجیے، ظاہر ہے ان کے لیے مشترک نقطہ ”توحید“ نہیں ہوسکتا۔

اس ملک کے لیے سب سے بہتر Common Point ”انسانیت“ کا ہے، آپ انسانیت کی بات کیجیے، آپ محبت کی بات کیجیے، آپ دلوں پر دستک دیجیے، آپ علاقوں میں جا کر لوگوں کو بیدار کیجیے، لوگوں کے اندر ایک فکر پیدا ہوگی اور ایک سوچ پیدا ہوگی کہ آخر یہ کون لوگ ہیں اور یہ کون سی بات کہنا چاہتے ہیں؟ اگر آپ لوگوں کو

انسانیت کی بات سناتے ہیں، ایسی بات جو دماغوں کو اپیل کرے، جو دلوں کو اپیل کرے تو لوگوں میں یقیناً ایک تبدیلی پیدا ہوگی۔

میرے دوستو اور بھائیو!

پیام انسانیت کا مشن دعوت کا سب سے پہلا قدم ہے، میں اکثر یہ بات کہتا ہوں کہ اگر ہم پہلے مرحلے میں دعوت پیش کرتے ہیں، تو مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے اسلام کی صحیح تصویر کو ایسا داغ دار کر رکھا ہے کہ اس کے نتیجہ میں اگر ہم نے اسلام کی بات کی تو لوگ بات سننے کے روادار نہیں ہوں گے۔ بعض لوگ یہ اشکال کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے تو پہلے ہی مرحلے میں یہ بات کہی کہ

”أيها الناس! قولوا لا إله إلا الله تفلحوا.“(مسند أحمد: ١٦٤٤٦)

(اے لوگو! کلمہ طیبہ پڑھو، کامیاب ہو جاؤ گے۔)

میں اکثر یہ بات عرض کرتا ہوں کہ آپ غور کیجیے اور سیرت کا مطالعہ کرنے والے یہ بات جانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے کی زندگی، اگر اس میں سے بچپن کا وقت الگ کر دیا جائے تب بھی آپ کا پچیس تیس سالہ ابتدائی عرصہ دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کیسا نمونۂ زندگی پیش کیا تھا؟ مشرکین مکہ جو بعد میں آپ کے دشمن ہو گئے، ان کا حال یہ تھا کہ آپ ﷺ کو ”امین“ کہتے کہتے ان کی زبانیں نہیں تھکتی تھیں، آخری درجہ کی بات ہے کہ جب آپ ﷺ ہجرت کے لیے تشریف لے جا رہے تھے، اس وقت بھی ان کی امانتیں آپ ﷺ کے پاس رکھی ہوئی تھیں، آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تھا کہ ان امانتوں کو واپس کر کے تم مدینہ طیبہ آنا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے بارے میں وہاں کیا تصور تھا؟!

آپ ﷺ کی صداقت اور آپ ﷺ کی امانت کا نتیجہ تھا کہ جب آپ ﷺ نے سب سے پہلی دعوت کوہِ صفا سے پیش کی اور آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کے عقب میں ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے، کیا تم یہ

بات مانو گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان لوگوں نے جو زندگی گزاری تھی، اس کی روشنی میں وہ بولے کہ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، آپ نے جو کہا وہ سچ کہا، اگر آپ یہ بات کہتے ہیں تو ہم ماننے کے لیے بالکل تیار ہیں، لیکن اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب توحید کی دعوت دی، تب اچانک ایک غلغلہ بلند ہوا اور بہت سے بدبختوں نے سخت باتیں کہیں، پھر معاملہ دوسرا ہوگیا۔

آپ غور کیجیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو زندگی دی تھی اور لوگوں نے اس کا مشاہدہ کیا تھا، اس کے باوجود یہ صورت حال پیدا ہوئی، اب آج ہماری جو زندگی ہے، ہم نے اپنے آپ کو جس طرح داغ دار کیا ہے، بلکہ میں تو اس سے بھی آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ ہم نے اسلام کو داغ دار کیا ہے، اب اس کے بعد اگر ہم بغیر ان داغ دھبوں کو صاف کیے ہوئے اسلام کا نام لیں گے تو ہماری بات سننے کے لیے کون تیار ہوگا؟ اس لیے ہمارا پیام انسانیت کا یہ جو کام ہے اور یہ کام ہمارا نہیں بلکہ نبیوں کا کام ہے، سچی بات یہ ہے کہ یہی وہ کام ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا، ان کے اخلاق کی بلندی دیکھئے تو حیرت ہوتی ہے، وہ بات بات پر ایسے جھگڑنے والے کہ

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا
کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا
لب جو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا
کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا
یوں ہی روز ہوتی تھی تکرار ان میں
یوں ہی چلتی رہتی تھی تلوار ان میں

لیکن پھر کیا ہوا ۔

جہاں کردیا نرم نرما گئے وہ
جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ

آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اسلام نے ان کو کیا زندگی عطا فرمائی؟ ظاہر ہے اخلاق کی وہ بلندی دی جو ہماری دعوت کا بنیادی مرحلہ ہے، پیام انسانیت کا کام حقیقت میں اسلام کی اخلاقی زندگی کے نمونوں کو پیش کرنے کا کام ہے جو اس وقت کی بڑی ضرورت ہے، اس زمانہ میں اسلام کو کس طرح بدنام کیا جا رہا ہے، میڈیا کس طرح سے باتیں بنا کر پیش کرتا ہے، ایسی صورت حال میں اگر ہم نے اپنی زندگی کو صحیح رخ پر نہ ڈالا، اخلاقی زندگی کے نمونے ہم نے پیش نہ کیے اور اسلام کے چہرہ کو ہم نے دھبے ڈال ڈال کر جو داغ دار کیا ہے، اگر اس کو صاف نہ کیا تو اس ملک میں ہمارا رہنا مشکل ہو جائے گا، اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ہمیں اپنی زندگی کو ایک نیا رخ دینا ہے، انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی۔

میں اکثر یہ بات کہتا ہوں کہ اب پانی سر سے اونچا ہو گیا، اب اس طرح کام نہیں چلے گا کہ ہم کہیں کہیں چراغ کی کوئی لو جلا دیں، اب ضرورت ہے جگہ جگہ چراغ جلانے کی، جگہ جگہ کام کرنے کی، اجتماعی طور پر میدان عمل میں آنے کی، اگر دیکھا جائے تو پیام انسانیت کا یہ کام حقیقت میں اسلام کی اخلاقی زندگی کو پیش کرنے ہی کا کام ہے، آپ ہسپتالوں میں جائیے، آپ مریضوں کی عیادت کیجیے، آپ بلڈ ڈونیشن کیمپ کیجیے، آپ میڈیکل کیمپ کیجیے، آپ جیلوں میں جائیے، آپ ضرورت مندوں کی مدد کیجیے، آپ اسکولوں میں جائیے، عام طور پر سرکاری اسکولوں میں وہ بچے ہوتے ہیں جن کے والدین کے پاس بعض مرتبہ اتنے پیسے نہیں ہوتے کہ وہ اپنے بچوں کو کاپی کتابیں وغیرہ دلوا سکیں، ان کے لیے معمولی اخراجات بھی مشکل ہوتے ہیں، آپ وہاں جا کر کام کریئے، یہ سب کام وہ ہیں جو دلوں کو جیتنے والے ہیں۔

میں اکثر ایک حوالہ دیتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ اس سے بہتر کوئی حوالہ نہیں اور وہ حوالہ ہے صلح حدیبیہ کا، آپ جانتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کب ہوئی، یہ بالکل ابتدا کی بات نہیں ہے بلکہ مکہ معظّمہ کا تیرہ سالہ دور گزر چکا تھا اور مدینہ طیبہ میں بھی تقریباً چھ

سات سال گزر چکے تھے، اس کے بعد صلح حدیبیہ کا موقع آیا، یہ صلح اس طرح ہوئی کہ آپ ﷺ نے انتہائی دب کر صلح کی، کلیجے منہ کو آ گئے، حضرت عمرؓ جیسا آدمی کہتا ہے کہ اے اللہ کے رسول! ہمیں اس قدر دب کر صلح کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ کا حکم ہے اور ہمیں اسی کے مطابق صلح کرنی ہے، اس صلح کرنے کے بعد آپ ﷺ جب وہاں سے نکل رہے تھے تب یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيناً﴾ (الفتح: ۱)

(یقیناً ہم نے آپ کو کھلی فتح عطا کی ہے۔)

ان آیات پر لوگوں کو حیرت ہوئی کہ یہ کون سی فتح مبین ہے؟ بظاہر اس وقت کچھ سمجھنا مشکل تھا لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس فتح مبین کا اعلان فرمایا اور آنے والے دو سالوں نے دکھایا کہ یہ فتح مبین کس طرح ہوئی؟ اس کے بعد لوگوں کو قریب آنے کا ایک موقع ملا، مکہ والے مدینہ آئے اور مدینہ والے مکہ گئے، اس سے پہلے حال یہ تھا کہ غزوات ہو رہے تھے اور دشمنیاں عروج پر تھیں، ان حالات میں یہ موقع نہیں تھا کہ ایک دوسرے کی زندگی کا مطالعہ کریں، ایک دوسرے کی زندگی کو دیکھیں اور ایک دوسرے کے معاملات کا مشاہدہ کریں، لیکن صلح حدیبیہ کے بعد اس کا موقع خوب ملا، مسلمانوں کی زندگی مشرکین مکہ نے دیکھی، دنیا کے لوگوں نے دیکھی، جب ان کی امانت داری، ان کی سچائی اور ان کے اخلاق کی بلندی انہوں نے دیکھی تو ان کی عقلیں دنگ رہ گئیں، ایسے ایسے واقعات ہیں کہ جس کو انہوں نے قید کیا تھا، اس کو انہوں نے ایک روٹی کھانے کے لیے دی، وہ آدھی روٹی خود کھاتا ہے اور آدھی روٹی دوسرے کو کھلاتا ہے، اسی لیے صلح حدیبیہ کے بعد دیکھنے میں آتا ہے کہ گویا دنیا بدل گئی ہو اور ﴿يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجاً﴾ (لوگ دین میں فوج درفوج داخل ہو رہے ہیں) کا سماں بندھ گیا ہو۔

سیرت وتاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ان دو سالوں کے عرصے میں اتنی بڑی تعداد کے اندر لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے کہ اتنی بڑی تعداد میں گزشتہ اٹھارہ بیس

سالوں میں مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

میرے دوستو اور بھائیو!

اللہ نے ہمیں یہی موقع اس ملک میں دیا ہے، ہم اپنے برادران وطن کے ساتھ رہتے ہیں لیکن سچی بات یہ ہے کہ ہم نے نمونہ پیش نہیں کیا، ہم دوکان دار ہیں اور آسانی سے دغا بازی کرتے ہیں، آسانی سے دھوکہ دیتے ہیں، لوگوں کے ساتھ خیانت کرتے ہیں، اگر ہم آفس میں ہیں تو کام چوری کرتے ہیں، وقت کا خیال نہیں رکھتے اور اپنی ذمہ داری کو پوری طرح محسوس نہیں کرتے، اگر ہم کسی اسکول میں ٹیچر ہیں، تو وہاں ہمیں کس طرح پڑھانا چاہیے اور کس طرح بچوں کی تربیت کرنا چاہیے، کیا ہمیں اس کا خیال ہوتا ہے؟ آخری درجہ افسوس کی بات یہ ہے کہ معاملہ الٹ گیا، اس وقت مسلمانوں کے حالات یہ ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی دوکان سے سودا نہ لینا، وہ ہیرا پھیری سے کام لیتے ہیں، فلاں بنئے سے سامان لینا، جب کہ یہ کام مسلمانوں کا تھا، اصلاً مسلمانوں کے اندر ہیر پھیر نہیں ہوتا، لیکن آج ہم نے اپنی زندگی سے معاملات نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچا دیے ہیں۔

بھائیو اور دوستو!

صلح حدیبیہ ہمارے سامنے ایک مثال ہے، ہم لوگوں کے سامنے اخلاق کے ایسے نمونے رکھیں کہ لوگ اس کے نتیجہ میں سمجھیں کہ اسلام کیا ہوتا ہے؟

اس وقت آج کے ان حالات میں زندگی کے رخ کو ذرا سا بدلنے کی ضرورت ہے، میدان عمل میں آنے کی ضرورت ہے، ہمیں لوگ مسجدوں میں نہیں دیکھتے، ہمیں لوگ مدرسوں میں نہیں دیکھتے، ہمیں وہ کاروبار میں دیکھتے ہیں، ہمیں وہ سفروں میں دیکھتے ہیں، ہمیں وہ ان جگہوں میں دیکھتے ہیں جہاں ہمارا اور ان کا آنا جانا یکساں ہوتا ہے، اس لیے ہمیں مشترک جگہوں پر خاص طور سے نمونہ پیش کرنا ہے۔

میں آپ کے سامنے ایک واقعہ سناتا ہوں، حضرت مولانا کا واقعہ اسی قبیل کا ہے

جس سے آپ کو بات سمجھ میں آئے گی ، مولانا عبداللہ کاپودرویؒ جو گجرات کے ایک بڑے عالم دین تھے، انہوں نے مجھے کئی مرتبہ یہ واقعہ سنایا، ایک مرتبہ حضرت مولاناؒ لکھنؤ سے سہارن پور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی خدمت میں جا رہے تھے اوران کے ساتھ مولانا عبداللہ صاحب بھی تھے، دوسیٹوں کا ریزرویشن تھا، نیچے کی سیٹ حضرت مولانا کی تھی اوراوپر والی مولانا عبداللہ صاحب کی، سامنے کی دو سیٹوں پر دو ہندو تھے جن میں سے ایک ممبر اسمبلی تھے اورنو جوان تھے، حضرت مولانا کا یہ طریقہ تھا کہ وہ جہاں بھی بیٹھتے تھے تو محبت وانسانیت کی گفتگو فرماتے تھے، جب شام کا وقت ہوا تو ایک ہندو بوڑھی خاتون آئیں اور کہنے لگیں کہ میں بوڑھی ہوں، میری سیٹ اوپر والی ہے اور نیچے دولوگ سینئر سٹیزن ہیں، میں ان سے بھی نہیں کہہ سکتی، اگر آپ میں سے کوئی مجھے اپنی سیٹ دے دے تو میں سو جاؤں گی، ورنہ مجھے رات بھر بیٹھنا پڑے گا، یہ سن کر وہ دونوں ہندو جو حضرت مولانا کے سامنے تھے' کچھ نہ بولے، اس زمانہ میں مولانا کونقرس کا مرض تھا اور گھٹنے میں تکلیف تھی، اس وقت مولانا کونظر بھی کم آتا تھا، بعد میں جب امریکہ جاکر آپریشن ہوا تب بینائی بحال ہوئی، لیکن اس کے باوجود جب وہ خاتون مایوس ہوکر جانے لگی تو حضرت مولانا نے فرمایا کہ بہن! تم فکر نہ کرو، میری سیٹ نیچے کی ہے، جب رات ہوجائے تو یہاں آکر سوجانا، ظاہر ہے اس کو تعجب ہوا اور اسلام کے بارے میں اس کو ایک تاثر بھی پیدا ہوا کہ اسلام کیسے اخلاق سکھاتا ہے اور کیا سبق دیتا ہے، جب وہ خاتون چلی گئی تو مولانا عبد اللہ کاپودروی نے کہا کہ حضرت! آپ نے یہ کیا غضب کیا؟ آپ نے اپنی سیٹ ان کو دے دی اور آپ خود بھی اوپر نہیں چڑھ سکتے، اس موقع پر حضرت مولاناؒ نے عجیب بات کہی کہ مولوی عبداللہ! اسلام کا اخلاقی نظام پیش کرنے کا موقع بار بار نہیں ملتا، اگر کبھی ایسا موقع ملے تو چاہے کتنی ہی مشقت اٹھانی پڑے لیکن اس کو گنوانا نہیں چاہیے۔

ہم اپنی زندگی میں غور کریں تو کتنے مواقع ایسے آتے ہیں کہ ہم بیٹھے ہیں اور

ہمارے برابر میں کوئی بوڑھا یا معذور کھڑا ہے، لیکن ہم سوچتے ہیں کہ کھڑا رہنے دو، ہم پہلے آئے ہیں تو ہم ہی بیٹھیں گے، غور کریں کہ کیا اسلام ہمیں یہی سکھاتا ہے؟!

سیرت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں قحط پڑا، تو آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ سے ایک بڑی مقدار میں وہاں ریلیف کے لیے رقم بھیجی، آج کے حساب سے آپ نے وہاں لاکھوں لاکھ روپئے چندہ کرکے بھیجے، پھر یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ آپ ﷺ نے کس کو بھیجا؟ حضرت عباس وہاں موجود تھے جو آپ کے چچا تھے لیکن آپ نے ان کے بجائے حضرت ابوسفیان کو بھیجا جو اس وقت وہاں کے امیر تھے، گویا کافروں کے سپہ سالار تھے اور مسلمان نہیں ہوئے تھے، آپ ﷺ نے محسوس کیا کہ اس وقت انہیں اس چیز کی ضرورت ہے، اسی لیے آپ نے انتظام فرمایا۔

ظاہر ہے یہ اسلام کا اخلاقی نظام ہے جس کی اس وقت سب سے بڑھ کر ضرورت ہے، آج بہت سے لوگ یہ بات کہتے ہیں کہ ہمیں غیروں کو اپنا خون دینے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا ہم انہیں اپنا خون دیں گے جو ہمارا خون لے رہے ہیں؟ یاد رکھئے! ہمارے نبی ﷺ نے ہم کو یہی سکھایا ہے، آپ ﷺ نے ہم کو اسی کی تعلیم دی کہ جو تمہارے ساتھ جفا کرے، تم اس کے ساتھ وفا کرو، آپ کی اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ جب مکہ فتح ہوا اور آپ ﷺ نے ان دشمنوں کو معاف کیا جو آپ ﷺ کی شہادت کے درپے تھے، جنہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو شہید کیا اور جنہوں نے مدینہ طیبہ کی گویا اینٹ سے اینٹ بجادی تھی، لیکن آپ ﷺ نے سب کو معاف فرمادیا، اس کے بعد یہ نتیجہ نکلا کہ قرآن مجید میں باقاعدہ یہ سورہ نازل ہوئی:

﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ☆ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجاً ☆ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّاباً﴾

(جب اللہ کی مدد آگئی اور فتح (ہوگئی) اور آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے

اور اس سے استغفار کیجیے یقیناً وہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔)

ظاہر ہے یہ اسلام کے اخلاقی نظام کا نتیجہ تھا۔

بھائیو اور دوستو!

تحریک پیام انسانیت کے کام کی دو نوعیتیں ہیں: ایک کام ہے ریلیف کا اور دوسرا ہے ذہن سازی کا۔ سچی بات یہ ہے کہ ہمارا اصل مقصد ذہن سازی ہے اور ریلیف کا کام حقیقت میں اس لیے ہے تاکہ ذہن سازی میں مدد ملے، ذہن سازی کا کام ہمارا دعویٰ ہے اور ریلیف کا کام حقیقت میں اس کی دلیل ہے، ظاہر ہے آپ لاکھ دعویٰ کریں اور آپ کے پاس دلیل نہ ہو تو آپ کی بات کوئی نہیں سنے گا، ہمارے سامنے اس کی ایک مثال بھی ہے۔ آج سے تقریباً بارہ سال پہلے بنگلور میں پیام انسانیت کا ایک بڑا اجلاس ہوا، اس میں غیر مسلم بھائی بھی شریک تھے اور ان کو بھی گفتگو کا موقع دیا گیا تھا، انھی میں ایک ہندو بھائی نے کھڑے ہو کر کہا کہ آپ لوگ باتیں بہت اچھی کرتے ہیں لیکن کیا آپ کے یہاں اس کا کوئی نمونہ بھی موجود ہے؟ سچی بات یہ ہے کہ اس وقت ہمارا سر شرمندگی سے جھک گیا، یقیناً اس وقت بھی تحریک کا کام تھا، تاہم اس کی کوئی بہت بڑی مثالیں ہمارے سامنے نہیں تھیں۔

اللہ کا شکر ہے کہ عملی طور پر جب کام کی شکلیں شروع ہوئیں تو آج اللہ کا فضل ہے کہ ہمارے پاس کہنے کا موقع ہے کہ جو باتیں کہی جا رہی ہیں، اس پر عمل کی کوششیں بھی جاری ہیں، لاک ڈاؤن کے موقع پر ان سڑکوں پر جہاں سے لوگ گزر رہے تھے جگہ جگہ مسلمانوں نے کیمپ لگائے، اس میں لوگوں کو ڈر تھا، یہاں تک ہوا کہ ہندو علاقوں میں ہینڈ پمپ سے لوگ پانی لینے گئے تو دوسرے لوگوں نے رکاوٹیں کھڑی کر دیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی وجہ سے یہاں بھی کرونا آ جائے، لیکن مسلمان اللہ پر یقین رکھتا ہے، اس کو کوئی ڈر نہیں، وہ اپنے گھروں سے پانی لے جا کر پیش کر رہا تھا اور لوگوں کو کھانا کھلا رہا تھا، تو عقلیں دنگ رہ گئیں اور لوگوں نے کھل کر بیان دیا کہ اگر یہ

مسلمان نہ ہوتے تو نہ جانے کتنے لوگ مرجاتے۔ اللہ نے مسلمانوں کو یہ توفیق دی ہے، آج بھی اگر ہم ان نمونوں کو اختیار کریں تو انشاء اللہ حالات بدلیں گے۔

اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ حالات میں تو کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی تو میں کتنی مثالیں پیش کرسکتا ہوں کہ بہت سے نازک مواقع پر اس کام کے نتیجہ میں حالات کس طرح بدلے؟ بہت سے مدرسوں کے واقعات ہیں کہ اللہ نے ان کی کیسی حفاظت فرمائی، لکھنؤ میں ایک مدرسہ کے متعلق یہ ہنگامہ کھڑا کیا گیا کہ وہاں بلڈوزر آنے والا ہے اور شاید اب مدرسہ گرا دیا جائے گا، اس مدرسہ میں چھوٹے بڑے ہر طرح کے بچے تھے، جب پولیس والے وہاں پہنچے تو وہ بچے ان سے بھڑ گئے اور ایسے بھڑے کہ ان کے بلے نوچ لیے اور ان کی ٹوپیاں اتار لیں، اس وقت پولیس والوں نے کچھ نہیں کیا بلکہ وہ سیدھے ایس پی کے پاس پہنچے، رات کے تقریباً گیارہ بج رہے تھے، اس مدرسہ کے مہتمم صاحب نے لکھنؤ میں پیام انسانیت کے کارکنان سے ملاقات کی اور پوری کارگزاری سنائی، وہ پریشان تھے کہ اب نہ جانے کیا ہوگا، پھر وہ لوگ مہتمم صاحب کو لے کر رات کے بارہ بجے ایس پی صاحب کے یہاں گئے، حسن اتفاق یہ کہ اس وقت جو ایس پی تھا وہ پیام انسانیت کے کاموں میں شریک رہ چکا تھا، اس نے جیسے ہی تحریک کے ساتھیوں کو دیکھا تو وہ کھڑا ہو گیا، پولیس کے وہ لوگ جو شکایت کرنے والے تھے، وہ وہاں پہلے سے موجود تھے، انہوں نے دیکھا کہ اس مدرسہ کے لوگ آئے تو ان کے لیے ایس پی صاحب کھڑے ہو گئے، صرف یہی نہیں بلکہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ ہمارے دوست ہیں اور یہ بہت اچھا کام کرتے ہیں، پھر ان رفقاء نے کہا کہ واقعی یہ بڑا عجیب مسئلہ پیش آ گیا، جب پولیس والے مدرسہ پہنچے تو بچے ان سے واقف نہیں تھے اور انہیں نزاکت کا علم نہیں تھا، انہوں نے بڑی غلطی کی، ہم چاہتے ہیں کہ آپ ذرا توجہ کرلیں اور دیکھ لیں کہ کہیں آگے کچھ گڑبڑ نہ ہو جائے، یہ سن کر ایس پی نے انہیں اطمینان دلایا کہ کوئی بڑی کاروائی نہیں ہوگی، پولیس والوں نے ہنگامہ کیا کہ ان کے مدرسہ میں ہمارے ساتھ

آتنک وادی سلوک ہوا، عجیب بات ہے بجائے اس کے کہ وہ کوئی آرڈر کرتا، اس نے کہا کہ تم مدرسہ میں گئے ہی کیوں تھے؟ رات کے وقت تمہیں مدرسہ میں جانے کے لیے کس نے کہا تھا؟ تم لوگ واپس جاؤ اور آیندہ ایسا مت کرنا، پھر اس نے ان لوگوں کو اپنے پاس بٹھایا، جب وہ پولیس والے چلے گئے تو ان لوگوں نے کہا کہ آپ نے ان سے یہ کہہ تو دیا لیکن بعد میں کچھ گڑ بڑ نہ ہو تو اس نے کہا: آپ لوگ مطمئن رہیں۔

ظاہر ہے یہ سب اسی وقت ممکن ہوسکا کہ اس کا ذہن بنا ہوا تھا، اس نے کام دیکھا تھا، اس نے یہ گواہی دی کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ہسپتالوں میں جا کر لوگوں کی مدد کرتے ہیں، مریضوں کی خدمت کرتے ہیں، یہ تو خون دینے والے لوگ ہیں، یہ ایسا نہیں کرسکتے، بچے تو بچے ہوتے ہیں اور ان سے غلطی ہوسکتی ہے۔ آپ غور کریں کہ اگر ماحول خراب ہو تو کیا اس کا تصور کیا جاسکتا ہے؟!

میں نے آپ کے سامنے یہ ایک چھوٹی سی مثال عرض کی، ایسی دسیوں مثالیں موجود ہیں، الحمدللہ اس کام کے نتیجہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بعض بڑے خطرات سے بچایا ہے۔

میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس وقت یہ کام ایک ایک شہر اور ایک ایک قصبہ میں ہونا چاہیے، اس وقت اس کی ضرورت ہے کہ آپ کے اندر ایک جذبہ پیدا ہوجائے، آپ یہ سمجھ لیں کہ ہمارے سارے دینی کام، ہمارے مدرسے، ہماری دینی تحریکات اور ادارے اس وقت کے حالات میں سخت خطرہ سے دوچار ہیں، اگر خدانخواستہ ہم نے یہ کام نہ کیا تو بہت بڑے خطرے کی بات ہے، پھر ہم بچ نہیں سکتے۔

آپ حضرات کے سامنے اس کام کے متعلق تمام تفصیلات آچکی ہیں، اس کی اہمیت بھی بیان کی گئی، اس کا طریقہ کار بھی بیان کیا گیا، انشاءاللہ مزید کام ہوگا، الحمدللہ اس کا ایک عملی نمونہ ''بلڈ ڈونیشن کیمپ'' ہے، ہوسکتا ہے یہ ہر جگہ نہ ہوسکے لیکن ''میڈیکل کیمپ'' ہر جگہ لگایا جاسکتا ہے، ''ہاسپٹل وزٹ'' کا کام تو بڑا آسان ہے،

آپ ہفتہ میں ایک دن متعین کر لیجیے اور صبح کے وقت میں چائے بسکٹ لے کر چلے جائیے، یا پھل وغیرہ کا پیکٹ لے کر چلے جائیے، جانے سے پہلے اجازت بھی ضرور لے لیجیے، اس کا بھی ایک طریقہ ہے، تحریک کا اجازت نامہ پہلے سے ٹائپ شدہ ہے، آپ اس کو وہاں دکھائیے اور دوسری جگہوں پر ہونے والے کاموں کے کچھ فوٹوز بھی دکھا دیجیے، ہوسکتا ہے کہ لوگ شروع میں کچھ تردد کریں لیکن جب وہ چیزیں دیکھیں گے تو ان کو اطمینان ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر آپ کچھ نہیں کر سکتے تو کہیں بھی کھڑے ہو کر لوگوں کو پانی ہی پلانا شروع کر دیجیے۔

پیام انسانیت کا عنوان ایسا ہے جو خود اپنی طرف لوگوں کو کھینچتا ہے، انسانیت کا لفظ ہی ایسا ہے جو خود اپنی طرف دوسروں کو کھینچتا ہے۔ اگر ہم نے اس کے عملی کام شروع کر دیئے تو انشاء اللہ اس کے بہت اچھے نتائج ہمارے سامنے آئیں گے۔

پیام انسانیت کے کام کی نزاکتوں کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے، بہت سے لوگ یہ غلطی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں برادران وطن میں گھل مل جانا چاہیے، ہم ان کی ہولی میں شریک ہوں، ہم ان کی دیوالی میں شریک ہوں، ہم ان کو اپنی عید میں شریک کریں۔ یاد رکھیے! یہ انتہائی خطرناک بات ہے، اس میں تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے، ہم اس کے لیے کام نہیں کرتے، ہم صراحت کے ساتھ یہ بات کہتے ہیں کہ ہمارا کام انسانی بنیادوں پر کرنے کا ہے' نہ کہ مذہبی بنیادوں پر، ہماری نیت یہی ہے کہ یہ اللہ کی رضا کا کام ہے، ہم اس کو دین سمجھ کر کرتے ہیں، لیکن ہم اپنی تقریروں میں اس کا اظہار نہیں کرتے کہ ہم کوئی دینی کام کر رہے ہیں، ہم بس یہی کہتے ہیں کہ یہ کام انسانی بنیادوں پر کیا جا رہا ہے، اگر میڈیا کا کوئی نمائندہ ہم سے پوچھتا ہے کہ آپ کا کام کیا ہے؟ تو ہم یہی جواب دیتے ہیں کہ ہمارا کام انسانوں کو انسانوں سے جوڑنے کا ہے۔

اگر ہم نے اس کام کی نزاکتوں کو سمجھتے ہوئے محنت کے ساتھ قدم آگے بڑھائے تو انشاء اللہ آسانیاں پیدا ہوں گی، میں امید کرتا ہوں کہ آج کی ہماری یہ حاضری

انتہائی با مقصد ہوگی اور یہاں سے ایک ایسا نظام شروع ہوگا جو صرف کرنول میں نہیں بلکہ دوسرے اضلاع کا کام بھی انشاءاللہ یہاں سے شروع ہوگا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، ہماری اس حاضری کو قبول فرمائے اور خیر کا ذریعہ بنائے، انشاءاللہ ہم یہاں سے عزم وارادہ لے کر جائیں گے۔

میں اخیر میں آپ سب کا شکر گزار ہوں، مولانا عبدالقدیر صاحب جنہوں نے اس پروگرام کے لیے بڑی محنت کی، میں خاص طور پر ان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ تمام حضرات کا مشکور ہوں جو اپنا وقت فارغ کر کے یہاں آئے، حقیقت یہ ہے کہ یہ کام ہمارا نہیں' آپ ہی کا ہے اور اگر دیکھا جائے تو یہ ہمارا اور آپ کا بھی نہیں بلکہ دین کا کام ہے، دین کے تحفظ کا کام ہے، اگر اس کے لیے ہم میدان عمل میں آئے تو انشاءاللہ دین بھی رہے گا، مسلمان بھی رہیں گے اور ملک بھی رہے گا اور دنیا کی کوئی طاقت مسلمانوں کا بال بیکا نہیں کرسکتی۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

۲۳/ستمبر ۲۰۲۴ء
وجے واڑہ، آندھرا پردیش

حالات کا نیا رخ اور اس کا مقابلہ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام علىٰ سيد المرسلين وخاتم النبيين سيدنا ونبينا ومولانا محمد وعلىٰ آله وصحبه أجمعين وعلىٰ من تبعهم بإحسان ودعا بدعوتهم إلىٰ يوم الدين أما بعد! فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمٰن الرحيم: ﴿فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ﴾ صدق الله العظيم.

میرے محترم بھائیو، بزرگو اور دوستو!

موجودہ وقت میں ہمیں جن حالات سے گزرنا پڑ رہا ہے، میرا خیال یہ ہے کہ یہ ہم سب کے لیے آگاہی کا وقت ہے، حقیقت میں یہ ایسا وقت ہے کہ اگر خدانخواستہ ابھی ہمارے اندر بیداری پیدا نہ ہوئی اور ہم نے ان حالات کے لیے کوئی تریاق تلاش نہ کیا تو شاید پھر آگے ہمارے لیے راستے مسدود ہو جائیں گے۔ تاریخ سے وہ سارے حقائق ہمارے سامنے آتے ہیں کہ موجودہ حالات کے لیے ہمارے سامنے حل کیا ہے اور یہ زہر جو اس وقت دماغوں میں پھیلایا جا رہا ہے اور نفرت کا بیج بویا جا رہا ہے اس کا تریاق کیا ہے؟

اللہ کا بہت بڑا فضل اور اس کا احسان ہے کہ ہمیں اس تریاق کو تلاش کرنے کے لیے بہت زیادہ سر جوڑ کر اس کی بنیادوں کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ

بنیادیں ہمارے بڑوں نے ہمارے لیے فراہم کردی ہیں اور اس وقت فراہم کی ہیں جس وقت شاید ذہن ودماغ اس کو پوری طرح سننے کے لیے بھی تیار نہیں تھے، اس وقت کے حالات مختلف تھے اور آج کے حالات بہت مختلف ہیں، لیکن اب جو ہونے والا تھا، دیکھنے والوں نے اس وقت ان چیزوں کو محسوس کیا تھا۔ ظاہر ہے یہ ایک ایمانی فراست ہے جس کا حدیث میں بھی تذکرہ موجود ہے کہ

"اتقوا فراسة المؤمن فإنه ينظر بنور اللّٰه" (الترمذی: ۳۴۱۹)

(مؤمن کی فراست سے ڈرو، اس لیے کہ وہ اللہ کے نور کی روشنی میں دیکھتا ہے۔)

واقعہ یہ ہے کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ خیر چاہتے ہیں تو وہ مؤمن بندے کے دل پر حقائق منکشف فرماتے ہیں اور اللہ کی طرف سے دل ودماغ میں باتیں ڈالی جاتی ہیں۔

آزادی کے معاً بعد اپنے وقت کے اللہ کے ایک برگزیدہ بندے اور بڑے صاحب فکر وبصیرت عالم دین؛ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے دل میں اللہ نے یہ بات ڈالی، جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک خاص روشنی عطا فرمائی تھی، ان کا امتیاز یہ تھا کہ وہ تاریخ کا مطالعہ کرتے تھے اور اس کی روشنی میں بہت آگے تک کی سوچتے تھے۔

حضرت مولاناؒ نے نہ جانے کتنے ملکوں میں آواز لگائی، جس کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں، لیکن اسی صاحب بصیرت عالم نے آج سے ۷۰ رسال پہلے ہمیں آگاہ کیا تھا کہ اگر ہم نے اس ملک میں یہاں کی اکثریت کو نظر انداز کیا اور ہم اپنے مدرسوں، اپنے اداروں، اپنی تحریکوں اور اپنے دینی کاموں میں مست رہے اور ہم نے یہ بالکل نہ سوچا کہ اس وقت جس طوفان کے آثار نظر آرہے ہیں، وہ جلد آنے والا ہے، اگر ہم نے اس طوفان کو روکنے کی تیاری نہ کی تو ہم بہت دیر تک اپنے قلعوں میں محصور ہو کر نہیں رہ سکیں گے۔ جب وہ طوفان بڑھے گا تو چاہے ہم کیسے ہی مضبوط قلعے بنالیں اور کتنی ہی

اونچی اس کی فصیلیں تعمیر کرلیں، لیکن ہم بہت دن تک اپنے آپ کو نہیں بچاسکیں گے۔

اولیاء اللہ جو خدا کے مقرب بندے اور انبیاء کے وارثین ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو یہ بصیرت عطا فرماتا ہے کہ وہ پہلے سے طوفان کی آہٹ محسوس کرلیتے ہیں، جب کہ اس وقت لوگوں کو ان کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ حضرت نوح علیہ السلام جس وقت ایک طویل وعریض کشتی بنارہے تھے تو لوگ کہتے تھے کہ ان کو کیا ہوگیا ہے؟ یہ خشکی میں کس طرح کشتی چلائیں گے؟ لیکن زمانہ نے دیکھا کہ جب طوفان آیا اور اس سے کوئی گھر اور دَر محفوظ نہ رہا، تب لوگوں کو یہ اندازہ ہوا کہ یہ کشتی کیوں بنائی جارہی تھی؟ اسی طرح جس زمانہ میں حضرت مولانا نے یہ بات کہی اور طوفان کی آہٹ محسوس کی، اس زمانہ میں لوگ ہنستے تھے کہ ''مولانا کو کیا ہوگیا ہے؟ یہ غیروں کو کیوں چائے پلائیں گے اور کھانا کھلائیں گے؟ یہ انسانی وحدت کیا چیز ہے؟ یہ سب تو فضول کی باتیں ہیں۔''

لیکن حضرت مولانا محسوس کرتے تھے کہ اگر ہم نے یہاں کی آبادی کو نظر انداز کیا، تو اس کا بہت ہی بھیانک نتیجہ ہمارے سامنے آئے گا، اس کی وجہ یہ تھی کہ مولانا کے سامنے اسپین کی پوری تاریخ تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا نے تاریخ کا بڑی گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا تھا اور اسی کی روشنی میں وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم نے یہاں یہ کام نہ کیا تو ہم خطرہ میں پڑ جائیں گے۔

سوویت یونین سے جو علاقے آزاد ہوئے جن کو ماوراء النہر بھی کہا جاتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ شاید اس سے زیادہ زرخیز خطہ روئے زمین پر کوئی دوسرا نہ ہوگا، یہاں کتنے بڑے بڑے علماء وفضلاء، مفسرین ومحدثین تیار ہوئے، لیکن جب طوفان آیا تو یہاں سے سب کچھ مٹ گیا، اذانیں بند ہوگئیں، نمازوں پر پابندی لگ گئی، برقع پہننے والوں کو آگ میں ڈالا جانے لگا۔ تب لوگوں نے یہ محسوس کیا کہ اس سلسلہ میں ہم سے کوتاہی ہوئی ہے، ہم نے یہاں کی آبادی کو نظر انداز کیا، جس کا ہم کو یہ خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے۔

آج ہم جس ملک میں ہیں، یہاں بھی تقریباً یہی صورت حال ہے، سرکاری رپورٹوں کے مطابق ہماری آبادی تقریباً ۱۷-۱۸ر فیصد ہے اور ہم کہتے ہیں کہ ہم ۲۰-۲۵ر فیصد ہیں، ظاہر بات ہے جو بھی فیصد ہو، اتنا تو طے ہے کہ ہم اقلیت میں ہیں اور افسوس کی بات یہ ہے کہ اقلیت میں ہونے کے باوجود ہماری غفلت آخری حد تک پہنچ رہی ہے۔

اس وقت میں آپ حضرات کے سامنے صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ اب ہمارے پاس وقت بہت کم وقت ہے، اب خواہ ہمارے سمجھ میں آئے یا نہ آئے، لیکن اب یہ ایسا وقت ہے کہ اگر آج ہم اس کام کے لیے کھڑے نہ ہوئے اور اگر خدانخواستہ آج ہمارے اندر بیداری پیدا نہ ہوئی تو نہ ان مسجدوں کی ضمانت ہے اور نہ مدارس کی، نہ ان دوکانوں کی ضمانت ہے اور نہ کسی کاروبار کی۔ اس وقت پورے ملک کی جو صورت حال ہے، اس سے آپ بخوبی واقف ہیں، یہ طوفان مختلف صوبوں میں تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے اور اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ہمارا صوبہ بہت خیر وعافیت میں ہے، الحمدللہ ابھی آپ کے یہاں امن وامان اور سکون ہے، ابھی جو یہاں حکومتیں ہیں وہ غنیمت ہیں اور لگتا ہے کہ یہ سب آپ کے لیے ایک سکون کی چیز ہے، لیکن یاد رکھئے! یہ سکون انتہائی خطرناک ہے اور یہی سکون خطرے کی گھنٹی ہے، اگر ہم نے اس سکون کو یہ سمجھا کہ آگے سب خیریت ہے تو اس خیریت کی کوئی ضمانت نہیں لی جا سکتی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿إِنِّىٓ أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّىٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ﴾

(هود: ٨٤)

(میں تمہیں بڑے مزے میں دیکھ رہا ہوں اور مجھے تم پر گھیر لینے والے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔)

حضرت مولانا نے شام (سیریا) میں جا کر یہ بات کہی تھی، وہ ایک متحدہ اور بڑا ملک تھا، وہاں سرسبزی وشادابی تھی، بڑے بڑے کارخانے تھے، دولت تھی، فراوانی تھی

اور بڑی خیر و برکت نظر آتی تھی، وہاں جا کر حضرت مولانا نے اس آیت کی روشنی میں ان سے خطاب کیا کہ آپ آج ہمیں بہت اچھی حالت میں نظر آتے ہیں، لیکن ہمیں آپ پر بہت برے دن کا ڈر ہے اور زیادہ دن نہیں گذرے کہ بہت جلد وہ دن آ گیا، پھر وہاں ایسا پانی پھرا کہ خود حضرت مولانا بیان فرماتے ہیں کہ اس کے دو سال بعد ہمارا وہاں جانا ہوا تو لگتا تھا کہ گویا جھاڑو پھیر دی گئی ہو، وہ سر سبزی و شادابی والا ملک، چہروں پر شادابی والا ملک، لگتا تھا کہ چہروں پر زردی آ گئی اور پورے ملک پر جھاڑو پھر گئی ہو۔

میرے دوستو!

اگر خدانخواستہ ہمارے اندر بیداری پیدا نہ ہوئی تو پھر یہاں بھی وہ دن دور نہیں کہ ہماری مسجدیں ختم ہو جائیں، ہمارے مدرسے ختم ہو جائیں بلکہ اس کا ڈر ہے کہ ہمارے کاروبار بھی ختم ہو جائیں اور ہم سب مٹ جائیں اور اس وقت جو یہاں خیر و برکت نظر آ رہی ہے اس کی کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ خدا کرے کہ یہ حقیقت ہمارے دلوں میں اتر جائے اور ہم سمجھیں کہ آج ہمارے پاس کام کا کچھ وقت باقی ہے، اگر آج ہم کھڑے نہ ہوئے تو پھر آگے ہمارے لیے کھڑے ہونے کا وقت بھی نہ ہوگا۔

آپ یہ طے کر لیجیے اور یہاں سے یہ پیغام لے کر جائیے کہ ہم یہاں کی آبادی کو نظر انداز نہیں کر سکتے اور یاد رہے! نظر انداز کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم ان کے کلچر میں جا کر ضم ہو جائیں، اس کا تو ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ حضرت مولانا کہتے تھے کہ اس ملک میں قومی دھارے کے اندر ضم ہو جانے کی دعوت دی جا رہی ہے، لیکن ہم کہتے ہیں کہ ہمیں دھارے میں داخل ہو کر دھارے کے رخ کو پلٹنا ہے۔ ہم ان سے الگ ہو کر نہیں رہ سکتے، جب طوفان بڑھے گا تو وہ ہمیں اپنے بہاؤ میں لے کر چلا جائے گا، قبل اس کے کہ وہ ہمیں بہا لے جائے، ضرورت ہے کہ ہم اس کا رخ بدل دیں۔ اس وقت کی اصل ضرورت یہی ہے اور اسی کے لیے تیاری ہونی چاہیے۔ آپ

ان میں گھس جائیے، آپ ان میں داخل ہوجائیے، آپ یہ نہ سمجھئے کہ ہم وہاں جا کر کیا کریں گے؟ اگر آپ نہیں جائیں گے تو وہ آپ کے اندر آئیں گے اور پھر آپ رہ نہ پائیں گے۔ اس لیے قبل اس کے کہ وہ ہمارے اندر داخل ہوکر ہم کو غلط رخ کی طرف لے جائیں، ضرورت ہے کہ ہم ان کے اندر داخل ہوکر ان کے رخ کو درست کریں۔

برادران وطن میں داخل ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ اس وقت پیام انسانیت کا جو کام کیا جا رہا ہے، جو رفاہی محنتیں ہو رہی ہیں، کہیں کوئی پانی پلا رہا ہے، کہیں کوئی چائے پلا رہا ہے، کہیں کوئی میڈیکل کیمپ لگا رہا ہے، کہیں کوئی خون کا عطیہ کر رہا ہے، کہیں جیلوں میں کام ہو رہا ہے، کہیں ہسپتالوں میں وزٹ ہو رہی ہے اور اس کے علاوہ کہیں اسکولوں میں جا کر بچوں کی خدمت ہو رہی ہے، کہیں کالجوں میں کچھ کام کیا جا رہا ہے، کہیں ذہن سازی کے لیے کارنر میٹنگیں ہو رہی ہیں، کہیں ڈائیلاگ ہو رہے ہیں، کہیں ملاقاتیں اور لٹریچر کی تقسیم کا عمل کیا جا رہا ہے، کہیں لوگوں کو نشے کی لعنت سے آگاہ کیا جا رہا ہے۔ یہ ساری چیزیں جو اس وقت کی جا رہی ہیں، یہی حقیقت میں پیام انسانیت ہیں اور یہی اس وقت کی ضرورت ہیں کہ ہم ان میں اس راستے سے داخل ہوجائیں، تاکہ وہ سمجھیں کہ مسلمان کیا ہیں؟

میرے دوستو!

اس وقت میڈیا کے ذریعہ مسلمانوں کی جو تصویر پیش کی جا رہی ہے اس سے ہر شخص واقف ہے، ابھی کورونا کے زمانہ میں کیا کیا تماشے نہیں گذرے؟ کوئی کھنکار رہا ہے تو کہا جا رہا ہے کہ یہ کورونا پھیلا رہا ہے، یہ پلیٹ میں تھوک رہا ہے اور کھانا خراب کر رہا ہے، نہ جانے اس وقت کیا کیا تماشے کیے گئے، آپ وہ سب جانتے ہیں اور اگر نہیں جانتے تو آپ کو جاننا چاہیے۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ہمارے ایک ایک حرکات وسکنات پر نگاہ رکھی جا

رہی ہے اور اگر ہمارے اندر ایک معمولی غلطی بھی پائی جاتی ہے تو اس کو رائی کا پربت یا بات کا بتنگڑ بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اس لیے ہمیں پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے، اگر ہم سے کوئی غلطی ہوگئی تو ہم بخشے نہیں جائیں گے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت میڈیا جو کچھ پیش کر رہا ہے اور لوگوں کے سامنے جو کچھ باتیں بڑھا چڑھا کر پیش کی جا رہی ہیں، ظاہر بات ہے اگر بار بار جھوٹ بولا جائے، تو آدمی سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ شاید بات صحیح ہی ہوگی۔

قصہ مشہور ہے کہ ایک مولوی صاحب بکری لے کر چلے، تو چند ٹھگوں نے سوچا کہ ان کو ٹھگنا چاہیے اور اس کے لیے انہوں نے راستے میں جگہ جگہ کچھ ایسے لوگ بٹھا دیے جو ان سے درمیان میں ملاقات کرتے اور ان سے کہتے کہ آپ یہ کتا کیوں لے جا رہے ہیں؟ وہ جواب دیتے کہ یہ کتا نہیں بکری ہے، تو وہ کہتے کہ ارے ہماری نگاہ سے غلطی ہوگئی، لیکن جب مسلسل لوگ ملتے گئے اور ایک ہی بات پوچھتے گئے، تو آخیر میں وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ سب کے سب لوگ ایک ہی بات کیسے کہہ سکتے ہیں، لگتا ہے ہماری ہی نظر کو دھوکہ ہوا ہے اور وہ اس بکری کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔

اس وقت یہی صورت حال ہے کہ اس قدر جھوٹ بولو، اتنی طاقت اور اتنے یقین کے ساتھ جھوٹ بولو کہ سننے والے سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ بات تو انہی کی درست ہوگی، ورنہ ایسی طاقت کے ساتھ جھوٹ کہاں بولا جاتا ہے؟ آج میڈیا یہی کردار نبھا رہا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ذہن و دماغ مسخ ہو گئے ہیں، لیکن میں آپ سے ایک بات کہتا ہوں کہ عمل کی طاقت سب سے بڑھ کر ہے، میڈیا والے جھوٹ بولیں اور دنیا والے چیخیں چلائیں، لیکن اگر آپ نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ ہم کیا ہیں؟ ہم اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں، ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے نمائندہ ہیں، اگر ہم نے یہ طے کر لیا تو چیخنے والے چیختے رہیں، دنیا ہماری گرویدہ ہو کر رہے گی۔ تاریخ میں یہ سب حقائق لکھے

ہوئے ہیں کہ اگر مسلمانوں نے یہ ثابت کیا ہے تو ساری سازشیں ناکام ہوئی ہیں۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے طرز عمل سے لوگوں کو دکھائیں کہ حقیقت کیا ہے؟ ہم اپنے طرز عمل سے لوگوں کو بتائیں کہ اسلام کیا ہے؟ اسلام کی تعلیمات کیا ہیں؟ اسلام کا سماجی نظام کیا ہے؟ اسلام کا اخلاقی پیغام کیا ہے اور اسلام ہمیں کیا سکھاتا ہے؟

میں آپ سے جو باتیں کہہ رہا ہوں، میں صاف کہہ رہا ہوں کہ یہ کوئی ہوائی باتیں نہیں ہیں، آپ کام کر کے دیکھئے، آپ تجربہ کر کے دیکھئے، تبلیغ والے کہتے ہیں کہ آؤ چلہ لگا کر دیکھو، دو دن لگا کر دیکھو تو بات سمجھ میں آئے گی، یہ واقعہ ہے کہ جب آدمی میدان عمل میں آتا ہے اور کام کو دیکھتا ہے، پھر اس کے سامنے نتائج آتے ہیں تو آنکھیں کھلتی ہیں۔ یاد رکھیں! کام باتوں سے نہیں ہوتا، کام کرنے سے ہوتا ہے۔

میرے دوستو اور بھائیو!

اگر آج خدانخواستہ ہمارے اندر بیداری پیدا نہ ہوئی تو خطرہ ہے کہ حالات خراب ہوں گے۔ اس لیے ہمارے اندر ایک ہلچل ہونی چاہیے، ایک انقلابی فکر پیدا ہونی چاہیے، ایک سوچ پیدا ہونی چاہیے اور ہمیں طے کرنا چاہیے کہ انشاء اللہ ہمیں آگے کام کرنا ہے۔

میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ پیام انسانیت کی تحریک کوئی تحریک نہیں ہے، یہ تو گویا ایک ایسا انقلابی قدم ہے جس سے ہماری تحریکات، ہمارے ادارے، ہمارے مدرسے، ہماری دین کی چلت پھرت' یہ ساری چیزیں انشاء اللہ محفوظ ہوں گی اور اگر ہم نے یہ کام نہ کیا تو جس جگہ ہم کھڑے ہیں' ڈر ہے کہ یہ **Base** محفوظ نہ رہے گا، اس وقت زمین ڈگمگا رہی ہے، زلزلے آرہے ہیں، اگر ہم نے اپنی زمین کی حفاظت نہ کی تو ہم اپنی زمین پر بہت دیر تک ٹھہر نہیں سکتے۔ آپ سو منزلہ عمارت بنا لو، خوبصورت سے خوبصورت محل بنا لو اور کچھ بھی کر لو، لیکن جب زلزلہ آئے گا تو سب ختم ہو جائے گا، آپ

کتنا ہی کہتے رہیں کہ ہم تو بڑی محنت کر رہے ہیں، ہم نے ایسی عالیشان عمارت بنالی، ہم نے ایسا کام کرلیا، یقیناً آپ کا کام آپ کو مبارک، لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ آپ جس جگہ پر کام کر رہے ہیں، اگر یہ جگہ ہی سلامت نہیں ہے تو ظاہر ہے آپ کے سارے کام آگے چل کر ''ھباءً منثوراً'' ہو جائیں گے اور سب ختم ہو جائے گا۔ اس لیے آپ یہ سمجھ کر یہاں سے اٹھئے کہ ہمارے کاموں کی حفاظت کا بھی یہ ایک ذریعہ ہے، گویا یہ ایک حصار ہے۔

مجھے امید ہے کہ آپ کے سامنے پیام انسانیت کی ساری تفصیلات آئی ہوں گی کہ اس کا طریقہ کار کیا ہے اور اس کی ضرورت وافادیت کیا ہے؟ میں انہیں دہرانا نہیں چاہتا، بلکہ میری کوشش تو یہ ہے کہ آپ کے اندر یہ امانت منتقل ہو جائے، اس لیے آپ یہاں سے یہ ذمہ داری لے کر جائیے اور یہ ذمہ داری آپ کے اوپر تنہا اپنی حفاظت کی نہیں ہے، یہ پوری امت کی حفاظت کا مسئلہ ہے، پورے ملک کی حفاظت کا مسئلہ ہے، ظاہر ہے ملک رہے گا تو سب رہیں گے اور اگر ملک جائے گا تو سب جائیں گے، اس لیے آپ یہاں یہ طے کیجیے کہ انشاء اللہ آپ کو یہ کام کرنا ہے۔

آپ یاد رکھیں کہ یہ کام بڑا نازک ہے، اگر آپ کو میدان عمل میں آنا ہے تو یہ سمجھ لیجیے کہ آپ کو گھورا صاف کرنا ہے، آپ کو غلاظت صاف کرنا ہے، اس لیے جب آپ میدان میں جائیں گے تو آپ کو بہت احتیاط کے ساتھ جانا پڑے گا، اپنا دامن بچانا ہوگا، اپنے آپ کو بچا کر چلنا ہوگا، کہیں غلاظت آپ کے اندر نہ چلی جائے اور اگر ہاتھ میں لگ جائے تو ہاتھ دھو لیجیے، گویا ہمیں اپنے پورے بچاؤ کے ساتھ کام کرنا ہے۔ ہمیں اہل شرک میں گھسنا ہے اور شرک نجاست ہے، لیکن ہمیں گھسنا ہے اور اس نجاست کو صاف کرنا ہے، تاہم ہمیں اپنی حفاظت کی بھی ضرورت ہے، اگر خدانخواستہ ہم نے بھی وہ نجاست قبول کرلی اور ہم بھی ہولی اور دیوالی کھیلنے لگے، مورتیوں کے

سامنے جانے لگے، ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہونے لگے، مورتیاں صاف کرنے لگے اور ان کے مذہبی کاموں میں شریک ہونے لگے، مذہبی کاموں میں ان کا تعاون کرنے لگے، تو یاد رکھئے! یہ انتہائی درجہ کی حماقت ہے، آپ جس گندگی کو صاف کرنے جا رہے ہیں، اسی گندگی میں اپنے دامن کو لتھیڑ رہے ہیں، بلکہ اس غلاظت کو اپنے منھ کے اندر لے جا رہے ہیں، اگر ایسی صورت حال ہے تو اس کے بعد ہم بھی محفوظ نہ رہ سکیں گے۔ اس لیے ہمیں یہ کام بہت نزاکت اور پوری احتیاط کے ساتھ کرنا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَتَعَاوَنُواْ عَلَى الْبرِّ وَالتَّقْوَى وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

(المائدة: ۲)

(اور نیکی اور تقویٰ (کے کاموں) میں آپس میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور سرکشی (کے کاموں) میں ایک دوسرے کی مدد مت کرنا۔)

معلوم ہوا ہم جو کام کریں گے وہ خالص انسانی بنیادوں پر کریں گے اور ہم Public Palce پر رفاہی کام کا طریقہ اختیار کریں گے، یا ایسی جگہیں ہیں جہاں ہم انسانی بنیادوں پر کام کر سکتے ہیں، لیکن جہاں کوئی مذہبی مسئلہ درپیش ہوگا، وہاں ہم الگ رہیں گے:

﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾

(تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔)

یاد رہے! دین کے سلسلہ میں کوئی Compromise ممکن نہیں ہے، اسی لیے ہمارے اصولوں میں ہے کہ ہم عید ملن کے پروگرام نہیں کرتے، اس لیے کہ اگر ہم عید ملن کا پروگرام کریں گے تو وہ ہولی ملن کا پروگرام کریں گے، جن کے اندر ہماری شرکت درست نہیں ہوگی۔ اس لیے ہم ان سے صاف کہتے ہیں کہ تمہارا مذہب تمہارے ساتھ اور ہمارا مذہب ہمارے ساتھ، لیکن ہم اور تم ایک ملک میں رہتے ہیں

اور ہمیں ایک ساتھ رہنا ہے۔

حضرت مولانا کو غیر معمولی بصیرت حاصل تھی، وہ کبھی کبھی فرماتے تھے کہ اللہ نے لکھ دیا ہے کہ ہمیں یہاں ان کے ساتھ رہنا ہے، جب ہمیں یہاں رہنا ہے تو انسانوں کی طرح رہنا ہے اور مسلمانوں کی طرح رہنا ہے، ایمان کی پوری طاقت کے ساتھ، پورے یقین کے ساتھ، اپنی پوری توحید کے ساتھ، اپنے عقائد میں پورے تصلب کے ساتھ، اپنی تہجد کے ساتھ اور اپنی اشراق کے ساتھ، یہاں تک کہ ایک موقع پر حضرت مولانا بڑے جوش میں کہنے لگے کہ اگر یہاں پابندی لگا دی جائے کہ تمام مسلمانوں پر یہ لازم ہے کہ پائجامہ ٹخنے کے نیچے پہنا جائے تو ہم اس کے بھی خلاف کھڑے ہوجائیں گے اور ہم احتجاج کریں گے، ہمارے یہاں اس کی اجازت نہیں ہے، ہم اپنے ایک نقطہ سے بھی دست بردار نہیں ہوسکتے۔

ان سب حقائق کے ساتھ ہمیں یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ ایک زندگی جانوروں کی ہوتی ہے اور ایک زندگی انسانوں کی ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں اللہ کے نبی ﷺ سے بڑھ کر کون نمونہ ہوسکتا ہے، آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں کیسے رہے؟ وہاں تو ظاہر ہے کہ حکم تھا:

﴿كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ (النساء: ۷۷)

(ہاتھوں کو روکے رکھو اور نماز قائم کرو۔)

لیکن مدینہ طیبہ آنے کے بعد آپ ﷺ نے جس مدارات کا معاملہ فرمایا وہ بھی آخری بات ہے، اس کی آخری مثال وہ روایت ہے کہ جب مکہ مکرمہ میں قحط پڑا تو مدینہ طیبہ سے آپ ﷺ نے پانچ سو درہم نہیں' پانچ سو دینار روانہ کیے اور پانچ سو دینار کا چندہ جمع کر کے وہاں **Relief** بھیجی اور یہ پیغام دیا کہ وہ لوگ بھی انسان ہیں اور ہمارے بھائی ہیں جو اس وقت پریشان ہیں، پھر مزید یہ کہ ریلیف ابوسفیان کو بھیجی،

جب کہ اگر آپ چاہتے تو اپنے چچا حضرت عباسؓ کو بھیج دیتے جن کے اندر اس وقت ایمان آچکا تھا، لیکن اس کے باوجود آپ نے ابوسفیان کو Relief بھیجی۔ ظاہر ہے یہ آخری مثال ہے کہ اگر دشمن بھی ضرورت منداور پریشان ہے تو ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس کی بھی مدد کریں اور خدمت کریں۔ یہ وہ طریقہ ہے جو دلوں کو جیتنے والا ہے ۔

جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ

میں اکثر جگہوں پر یہ واقعہ نقل کرتا ہوں کہ شہاب الدین غوری ہندوستان آکر شکست کھانے کے بعد واپس جارہا تھا اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان تشریف لارہے تھے، جب اس نے پوچھا کہ آپ کہاں تشریف لے جارہے ہیں؟ تو فرمایا کہ ہندوستان جارہا ہوں، وہ کہنے لگا کہ حضرت! ہندوستان کی زمین بڑی سنگلاخ ہے، میں کئی مرتبہ گیا، مگر ناکام ہوکر واپس آیا۔ حضرت نے فرمایا کہ تم جسموں کو فتح کرنے جاتے ہو اور میں دلوں کو فتح کرنے جارہا ہوں۔ پھر زمانہ نے دکھایا کہ حضرت کے اخلاق کی بلندی کے نتیجہ میں لوگ ان کے کیسے گرویدہ ہوئے۔

حضرت خواجہ صاحب کا واقعہ مشہور ہے کہ لوگ ان کی خدمت میں تحائف لے کر حاضر ہوتے تھے، وہاں ایک کوٹھری تھی، جب شام ہوتی تو حضرت اپنے خادم سے کہتے کہ یہ سب سامان اس میں لے جاکر رکھ دو، وہ کوٹھری ہفتہ میں ایک دن کھولی جاتی تھی اور اعلان ہوتا تھا کہ جس کا جو جی چاہے وہ آکر لے جائے، تو جس کے جو سمجھ میں آتا تھا وہ لے جاتا تھا۔ ایک صاحب نے سوچا کہ حضرت تو نہ تحفہ کو دیکھتے ہیں اور نہ کھاتے ہیں، اس لیے انہوں نے مٹی کا ایک خوبصورت سا پیکٹ بنایا اور خدمت میں لاکر پیش کردیا، اب کوئی کیا جانے کہ اس کے اندر کیا ہے؟ حضرت نے اس کو اپنے پاس رکھ لیا، پھر جب شام کا وقت ہوا اور خادم تحفوں کو سمیٹ کر کوٹھری میں ڈالنے کے لیے جانے لگا، تو حضرت نے اس خوبصورت سے پیکٹ پر ہاتھ رکھ دیا اور فرمایا کہ اس کو لے کر مت جانا،

یہ میری آنکھوں کا سرمہ ہے۔ ظاہر ہے حضرت کو گویا احساس ہوگیا کہ اس میں کچھ اور ہے اور اب اگر یہ لے جایا گیا اور بعد میں کسی کے حصے میں بھی آیا تو تفتیش شروع ہوگی کہ یہ کون بدبخت لایا اور کس نے حضرت کو دھوکہ دینے کی کوشش کی؟ تو اس خطرہ سے کہ وہ بے چارہ رسوا ہو اور اس کو لوگ برا بھلا کہیں، حضرت نے اس شخص کو بے عزتی سے بچانے کے لیے اس پیکٹ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ یہ میری آنکھوں کا سرمہ ہے۔ یہ ہے ان حضرات کے اخلاق کی انتہا اور یہی وہ اخلاق کی بلندیاں ہیں جن کی بدولت اس ملک میں اسلام پھیلا ہے۔ حقیقت میں وہ فاتح ہندوستان تھے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ اسی محبت اور اسی انسانیت اور اخلاق کی اسی بلندی کو جو اللہ کے نبی ﷺ کے صدقہ میں ہم کو ملی، ہم دوبارہ اسی طاقت کے ساتھ کھڑے ہو جائیں، پھر آپ دیکھئے کہ حالات کیسے بدلتے ہیں، لیکن نزاکتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کھڑے ہوں۔ یاد رکھیں! کسی بھی دینی مسئلہ میں کوئی **Compromise** نہیں ہوسکتا، ایک ادنیٰ سے دینی مسئلہ کو بھی ہم نہیں چھوڑ سکتے۔ البتہ انسانی بنیادوں پر سلوک کرنے کی ضرورت ہے۔

میں اخیر میں آپ سے صرف یہ درخواست کرنا چاہتا ہوں کہ آپ یہاں سے یہ طے کر کے جائیں کہ انشاء اللہ آج سے ہمیں کام شروع کرنا ہے۔ میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ اس وقت ہمارے سامنے ایک یہی راستہ ہے اور اس کے لیے ہمیں آگے آنا ہے۔ یہ اس وقت کی ایک ضرورت ہے اور یہی اس وقت ہماری حفاظت کا ذریعہ ہے، یہی دعوت کا پہلا **Step** ہے، خدمت خلق کا اجر اپنی جگہ پر، اس کے علاوہ بھی اس میں نہ جانے کتنے فوائد ہیں، اللہ نے نہ جانے اس کے اندر کتنے ثواب کی چیزیں رکھی ہیں، ہمیں امید ہے کہ انشاء اللہ ہم صحیح نیت کے ساتھ اور اللہ کی رضا کے لیے میدان عمل میں آئیں گے اور پھر یقیناً اللہ کی مدد ہوگی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (العنکبوت: ٦٩)

(اور جو بھی ہمارے لیے جان کھپائیں گے تو ہم ضرور ان کے لیے اپنے راستے کھول دیں گے۔)

اگر ہم میدان عمل میں آگئے اور ہم نے یہ دکھا دیا کہ اسلام کیا ہے؟ اللہ کے نبی ﷺ کی وراثت کیا ہے؟ اگر ہماری زندگی اس کی ترجمان ہوئی اور ہم نے نمونہ پیش کیا تو انشاء اللہ حالات ضرور بدلیں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق عطا فرمائے، آپ حضرات کی آمد کو قبول فرمائے اور خیر کا ذریعہ بنائے، پورے ملک میں ایک ایسی ہوا چلا دے کہ اسلام کی صحیح تصویر برادران وطن کے سامنے آئے اور وہ محسوس کریں کہ ہم نے بہت غلط سوچا تھا۔ کیا بعید ہے کہ یہ کوشش ان کے اسلام سے قریب ہونے کا ذریعہ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس حاضری کو خیر کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

۲۷ رستمبر ۲۰۲۴ء
منگلور، کرناٹک

امتِ مسلمہ کا امتیاز اور اس کی ذمہ داری

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا ونبینا ومولانا محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ أجمعین وعلیٰ من تبعھم بإحسان ودعا بدعوتھم إلیٰ یوم الدین أما بعد، فأعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم: ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ صدق اللّٰہ العظیم.

میرے محترم بھائیو، بزرگو اور دوستو!

اس میں شبہ نہیں کہ بہت سی چیزیں ہماری نظروں سے گزرتی ہیں مگر ہم اپنے کاموں میں مشغولیت کے سبب ان پر بہت زیادہ توجہ نہیں کر پاتے، لیکن اگر ان کی طرف توجہ دلائی جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ ہم کن حالات سے دوچار ہیں، اس وقت اس ملک کی جو صورت حال ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ساری دنیا کی صورت حال بہت ہی قابل فکر ہے، انسان انسان کا دشمن ہے اور سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ یہ دنیا انسانوں کی دشمن ہے، شاید اس کا سبب یہ ہے کہ ہمیں دنیا کو جو دینا تھا اور ہماری جو ذمہ داری تھی، ہم اس کا حق ادا نہیں کر سکے، دنیا کا اصول یہ ہے کہ اگر کسی کی امانت کسی کے پاس رکھی ہو اور وہ اس میں خیانت کرے تو اس کو معاف نہیں کیا جاتا۔ اللہ کے

رسول ﷺ نے ہمیں جو امانت دی تھی؛ عقیدہ کی امانت، صحیح زندگی کی امانت، صحیح انسانیت کی امانت اور اخلاق وکردار کی امانت، افسوس کی بات ہے کہ اس وقت مسلمانوں کا حال اس سے بالکل مختلف ہے۔

آپ حضرات کو اس بات کا تجربہ ہوتا ہوگا، ہمیں بھی ملک کے مختلف علاقوں میں جانے کا خوب اتفاق ہوتا ہے اور وہاں بہت کچھ دیکھنے کو ملتا ہے، پھر اس پر میڈیا جو کچھ کرتا ہے اور بات کا بتنگڑ بناتا ہے' وہ ایک الگ مسئلہ ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ بات ہمارے سماج ہی سے چلتی ہے اور کہیں نہ کہیں اس طرح کی باتیں پیش آتی ہیں جن کو میڈیا پیش کرتا ہے، اس وقت ہمارا سماجی نظام بڑی حد تک خراب (corrupt) ہو چکا ہے، اگر ہم نے اس سلسلہ میں کوئی ٹھوس قدم نہ اٹھایا اور اپنے حالات کے اندر کوئی بدلاؤ پیدا نہ کیا تو ہمیں شاید اس ملک میں عزت کے ساتھ رہنا مشکل ہو جائے گا، اس لیے ہماری بہت بڑی اور بنیادی ذمہ داری ہے۔

مدارس جو اسلام کے قلعے ہیں' وہ ہمارے سامنے اسلام کی پوری تصویر رکھ دیتے ہیں کہ صحیح دین کیا ہے اور ہمیں کس طرح زندگی گزارنے کی ضرورت ہے، واقعہ یہ ہے کہ اگر یہ مدارس اور علماء نہ ہوں تو ہمیں کون راستہ بتائے گا؟ آپ یاد رکھیں! اگر کوئی خود سے یہ چاہے کہ وہ ہر چیز پڑھ کر ہضم کر لے تو یہ آسان نہیں ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ حضرات علماء کرام علم دین میں رسوخ پیدا کرنے اور گہرائی پیدا کرنے کے لیے اپنی پوری پوری زندگی کھپاتے ہیں، پھر وہ دین کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں اور دین کو پیش کرتے ہیں۔ ایک طرف یہ مدارس ہمارے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں، اگر یہ مدارس نہ رہے تو ہمارا دین خطرہ میں ہے۔

دوسری طرف ہمارے اوپر ایک بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ سیرت کی روشنی میں ہمیں جو کچھ بتایا جاتا ہے' اس کو ہم اپنی زندگی میں اتارنے کی کوشش کریں، سیرت

حقیقت میں قرآن مجید کی عملی شکل ہے، قرآن مجید میں جو کچھ کہا گیا' آنحضرت ﷺ نے اس کو ایک ایسے پریکٹیکل طریقے پر پیش کیا اور ایک ایسی جماعت تیار کی کہ جس نے پوری زندگی اس میں ڈھال کر ساری انسانیت کے سامنے رکھ دی۔ سیرت کی یہ مثالیں ہمارے سامنے ہیں، مدارس ان ہی کی حفاظت کرتے ہیں اور ان تفصیلات کی ساری جزئیات ہمیں بتاتے ہیں۔

اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہم جو زندگی گزار رہے ہیں، اس زندگی کا سیرت طیبہ سے کوئی جوڑ نظر نہیں آتا، ان دونوں میں ایک خلیج حائل ہے اور ان دونوں میں بہت دوری نظر آتی ہے۔ جب کہ ہمارے برادران وطن ہمیں مسجدوں اور مدرسوں میں نہیں دیکھتے بلکہ وہ ہمیں **Public Palaces** میں دیکھتے ہیں، بازاروں میں دیکھتے ہیں، سفروں میں دیکھتے ہیں، آپس کے معاملات میں دیکھتے ہیں، ایک ڈاکٹر ہے جو ایک مسلمان ڈاکٹر ہے، ایک آفیسر ہے جو ایک مسلمان آفیسر ہے، ایک کسی عہدہ پر بیٹھا ہوا انسان ہے جو کسی خدمت کے لیے بٹھایا گیا اور مسلمان ہے، اب ہمارا طرز عمل کیا ہے؟ وہ طرز عمل لوگ تلاش کرتے ہیں، افسوس کی بات یہ ہے کہ عام طور پر ہمارا طرز عمل ایسا ہوتا ہے جس کی سیرت سے کوئی مناسبت نہیں۔

میں الحمد للہ یہاں جو کچھ دیکھتا ہوں اور مجھے اس پر بہت مسرت ہے کہ یہاں کے مسلمانوں میں ایک جذبہ ہے اور وہ اخلاق کی ایک اچھی تصویر پیش کر رہے ہیں، لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ چراغ ملک کے ہر کونے میں جلایا جائے اور ملک کے ہر گوشے میں اس کو روشن کیا جائے۔

ہماری اخلاقی زندگی اور دوسروں کے ساتھ تعلق بہت اہمیت کا حامل ہے، اس سلسلہ میں اگر ہم نے اللہ کے رسول ﷺ کا بتایا ہوا طریقہ اختیار کیا تو واقعہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کے نمایندہ کہلانے کے شاید مستحق قرار پائیں، حالانکہ یہ بہت بڑا

لقب ہے، یہ کوئی معمولی لقب نہیں ہے، آدمی نمایندۂ رسول جب بن سکتا ہے جب اس کی زندگی پوری طرح اللہ کے نبی ﷺ کے بتائے ہوئے راستے کے مطابق ہو، آپ کی زندگی کا عکس اس کی زندگی میں نظر آئے، اگر وہ مکمل عکس نہیں ہے تو پھر وہ کیا نمایندہ ہے اور وہ کیا ترجمانی کرے گا، اس لیے جتنا ہو سکے' ہمیں اس میں آگے بڑھنا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آخری امت کو تمام انسانوں کے لیے برپا کیا ہے، یہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ایک امتیاز رکھنے والی امت ہے جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ''خیر امت''، یعنی بہترین امت کا لقب دیا، لیکن اسی کے ساتھ دو اہم باتیں بھی ارشاد فرمائی گئیں، ایک بات تو یہ فرمائی کہ تم بہترین امت ہو جس کو انسانوں کے لیے برپا کیا گیا، گویا ہماری زندگی خود ہمارے لیے نہیں ہے بلکہ وہ ساری انسانیت کے لیے ہے، ہم انفرادی زندگی نہیں گزار سکتے بلکہ ہمیں ہر ایک کی فکر کرنی ہے۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ

﴿تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾

(تم بھلائی کی تلقین کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔)

آیت میں یہ تین صفات بیان کی گئی ہیں جو حقیقت میں اس امت کے خیر امت ہونے کا سبب ہیں۔ پہلی صفت یہ کہ تم اچھائیوں کو پھیلاتے ہو اور بھلائیوں کو عام کرتے ہو۔ دوسری صفت یہ کہ تم برائیوں سے روکتے ہو اور انہیں دور کرتے ہو۔ تیسری صفت یہ کہ تم اپنے ایمان کو ہمیشہ تازہ کرتے ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ اللہ کی ذات پر ایمان رکھنا، اس ایمان کو باقی رکھنا اور اس کو ہمیشہ تازہ کرنا' یہ بھی ہماری ذمہ داری ہے، ہماری باتوں میں جو وزن اور جو طاقت پیدا ہوتی ہے، وہ اسی ایمان کے ذریعہ ہوتی ہے، اللہ کی ذات پر جتنا یقین ہوگا، آدمی اللہ کو راضی کرنے کی جتنی فکر کرے گا اور وہ اپنے کاموں میں رضائے الٰہی کی جس قدر نیت کرے گا' اسی قدر اس کے کاموں میں بھی جان پیدا ہوگی۔

آپ تاریخ اٹھا کر دیکھئے، بڑے بڑے مصلحین اور اہل اللہ کی زندگیوں کا جائزہ لیجیے، ان کی زندگیوں کا ایک نمایاں امتیاز اللہ سے ان کا مضبوط تعلق ہے اور ہر کام اللہ کے لیے کرنے کا جذبہ ہے، وہ اللہ کی رضا کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دیتے ہیں، یہ بہت بنیادی نکتہ ہے، اگر ہم مسلمانوں کے اندر یہ صفت پیدا ہو جائے تو بہت نفع ہو، بلاشبہ ہم بہت اچھے کام کرتے ہیں، تاہم کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہماری نیتوں میں فتور ہوتا ہے اور اکثر تو ایسا ہوتا ہے کہ ہم کوئی نیت ہی نہیں کرتے، یہاں تک کہ بعض مرتبہ ہمارے بڑے بڑے کام ضائع ہو جاتے ہیں اور وہ اللہ کی رضا کا ذریعہ نہیں بنتے۔

غور کا مقام ہے کہ آپ رفاہی کام کرتے ہیں اور کرسچن بھی رفاہی کام کرتے ہیں، آپ ریلیف کا کام کرتے ہیں اور دوسرے مذاہب کے بہت سے لوگ ہیں' وہ بھی ریلیف کا کام کرتے ہیں، یہ بات مشہور ہے کہ کرسچن کے یہاں خدمت کے سلسلہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جاتا ہے۔ان سب کے درمیان ہمارا امتیاز یہی ہے کہ ہمیں اللہ کی ذات پر یقین ہے، ہمارے اندر اللہ کے لیے کام کرنے کا جذبہ ہے، یہ وہ چیز ہے جو ہمیں دوسروں سے ممتاز بناتی ہے۔

اللہ کے نبی ﷺ سے ہمیں جو نظام اخلاق ملا، آج ضرورت ہے کہ ہم اس نظام کو جاری کریں اور سب سے پہلے اس کو اپنی زندگی میں نافذ کریں، پھر لوگوں تک بات پہنچائیں، اس میں ہم رضائے الٰہی کی نیت بھی کریں اور یہ سوچیں کہ اللہ نے ہمیں اس دنیا میں اسی مقصد کے لیے بھیجا ہے کہ ہم برائیوں کو دور کر سکیں، لوگوں کو صحیح راستہ بتا سکیں اور ضرورت مندوں کے کام آسکیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں تمام انسانیت کے لیے پیدا کیا ہے اور تمام انسانوں کے لیے برپا کیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے جہاں بھی اس اخلاقی زندگی کو اختیار کیا تو وہاں اس کے بڑے اچھے نتائج سامنے آئے، بعض مرتبہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ

ہدایت کا ذریعہ بنا دیتا ہے۔

ایک صاحب بس میں لکھنؤ سفر کر کے آرہے تھے، اسی بس میں ایک ہندو خاتون اپنے بچہ کے ساتھ سفر کر رہی تھی، اس کے ٹکٹ بننے میں صرف دس روپئے کی ضرورت تھی، کنڈیکٹر نے دس روپئے کا مطالبہ کیا تو اس نے معذرت کی، وہ بولا کہ اگر پیسے نہیں ہیں تو تم راستے ہی میں اتر جاؤ، بغیر ٹکٹ لیے سفر کرنا مشکل ہے، اس موقع پر بس میں موجود وہ صاحب جو شیروانی بھی پہنے ہوئے تھے' وہ یہ منظر دیکھ کر آگے آئے اور انہوں نے اپنی جیب سے دس روپئے نکال کر کنڈیکٹر سے ٹکٹ بنانے کو کہا، وہ ہندو خاتون یہ دیکھ حیرت میں پڑ گئی کہ ایک مسلمان شخص کس طرح پیچھے سے اٹھ کر آیا اور اس نے مدد کی، جب کہ بس میں کئی ہندو بھائی بھی موجود تھے مگر ان میں سے کسی نے اس کی مدد نہیں کی، پھر جب وہ خاتون اپنی منزل پر اتری تو ان صاحب نے مزید ضرورت محسوس کرتے ہوئے اس کو بیس روپئے دیئے اور کہا کہ بہن! یہ آٹو رکشے کا کرایہ دینے کے لیے ہیں، اس نے انکار کیا مگر انہوں نے باصرار وہ پیسے اس کو دے دیئے۔

وہ صاحب بتاتے ہیں کہ کچھ دنوں بعد لکھنؤ کی ایک مشہور مارکیٹ ''گڑبڑ جھالا'' کی طرف سے ان کا گزر ہوا تو ایک خاتون نے انہیں آواز دی، وہ اجنبی آواز سن کر چونک گئے، پھر دیکھا کہ وہی ہندو خاتون وہاں اپنے شوہر کے ساتھ موجود تھی، اس نے اپنے شوہر سے ان کا تعارف کرایا کہ یہی وہ صاحب ہیں، پھر ان لوگوں نے کہا: ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ ایک کپ چائے پی لیں، اس پر انہوں نے معذرت کی اور کہا کہ پہلے آپ ہمارے یہاں چائے پر تشریف لائیں۔ عجیب بات ہے کہ وہ لوگ اس پر بھی راضی ہو گئے، وہ دونوں میاں بیوی ان کے گھر پہنچے، وہاں انہوں نے ان دونوں کی خوب خاطر تواضع کی، یہ سب دیکھ کر ان دونوں پر مزید اثر پڑا اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ ہمیں تو اب تک مسلمانوں کی کچھ اور ہی تصویر دکھائی جا رہی تھی۔

اس طرح ان کی آمدورفت کا سلسلہ شروع ہو گیا، کبھی وہ صاحب ان کے گھر گئے اور کبھی وہ دونوں ان صاحب کے گھر آئے، جب یہ سلسلہ کچھ دراز ہوا تو ایک دن وہ دونوں بول ہی اٹھے: ہمیں افسوس ہے کہ ہم نے مسلمانوں کے بارے میں بہت غلط سن رکھا تھا اور ہم انہیں اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ تب ان صاحب نے کہا کہ ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں یہ اخلاق سکھائے ہیں اور ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ہر کمزور کی مدد کی جائے۔

آخر کار بات یہاں تک پہنچی کہ ایک دن ان دونوں نے آکر یہ بات کہی کہ آپ ہمیں بھی اسی دین میں داخل کرلیں جس دین کے نتیجہ میں آپ لوگوں کی ایسی غیر معمولی خدمت کرتے ہیں اور آپ کے اندر ایسے بلند اخلاق ہیں، ہمیں یہی دین اچھا معلوم ہوتا ہے، مگر وہ صاحب حکمۃً ان کی اس بات کو ٹالتے رہے، یہاں تک کہ ایک دن وہ دونوں میاں بیوی رات میں تقریباً ساڑھے دس بجے ان کے گھر حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم اسی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہو جائیں؟ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ شرک کی حالت میں ہماری موت ہو؟ اس وقت انہوں نے کہا کہ ہم اسی دن کے منتظر تھے تاکہ آپ کے اندر یہ شوق پیدا ہو۔ اس کے بعد الحمدللہ انہوں نے کلمہ پڑھا اور پورا گھر ایمان لے آیا۔

آپ غور کریں کہ ابتداء کہاں سے ہوئی؟ انہوں نے شروع میں دس روپے دے کر اس خاتون کی مدد کی اور اس معمولی عمل کو اللہ نے پورے ایک خاندان کی ہدایت کا ذریعہ بنا دیا۔ یقیناً دیکھنے میں یہ بہت چھوٹی بات ہے تاہم نتیجے کے لحاظ سے بہت بڑی بات ہے، اگر ہمارے اندر یہ اخلاق پیدا ہو جائیں تو میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ اس وقت ملک کے اندر ہمیں جو کچھ بھی نظر آرہا ہے' انشاء اللہ یہ پورا منظر نامہ بڑی آسانی سے بدل جائے گا۔

اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اسلام کی دی ہوئی اخلاقی زندگی کتنے

لوگوں میں ہے؟ الحمد للہ بہت سے لوگ ہیں جو فکر کرنے والے ہیں، ہمارے ایک تعلق والے نے ہمیں بتایا کہ وہ ہمیشہ اپنے ساتھ تیل کی ایک بوتل رکھتے ہیں تا کہ راستے میں کوئی گاڑی والا کھڑا نظر آئے تو اس کی مدد کرسکیں، انہوں نے بتایا کہ بعض مرتبہ کچھ لوگ بہت احسان مند ہوتے ہیں، اس لیے کہ خالی گاڑی گھسیٹنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آدمی اسی طرح کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر عمل کی کوشش کرے اور طے کرلے کہ ہم اسلام کا اخلاقی نظام پیش کریں گے تو انشاء اللہ اس کے نتیجہ میں دنیا بدل سکتی ہے۔

حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ ہے جو مجھے خود مولانا عبد اللہ صاحب کا پودرویؒ نے سنایا، میں اس قصے کو بارہا دہراتا ہوں، لکھنؤ سے سہارن پور کا سفر تھا اور حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کے ساتھ مولانا عبد اللہ صاحبؒ تھے، دو سیٹوں کا ریزرویشن تھا، ایک سیٹ اوپر کی اور دوسری نیچے کی تھی، سامنے دو سیٹوں پر دو نوجوان ہندو تھے جن میں سے ایک ممبر اسمبلی بھی تھے جو سفر کر رہے تھے، حضرت مولانا نے ان سے انسانیت کے موضوع پر گفتگو بھی کی جیسا کہ حضرت کا طریقہ تھا، جب رات کو سونے کا وقت ہوا تو برابر سے ایک بوڑھی ہندو خاتون ان لوگوں کے پاس آکر کہنے لگیں کہ میری سیٹ اوپر کی ہے اور میرے نیچے جو دو لوگ ہیں وہ دونوں ہی سینئر سٹیزن ہیں، میں ان سے درخواست نہیں کرسکتی، اگر آپ میں سے کوئی اپنی سیٹ مجھے دے دے تو بڑا احسان ہوگا، عجیب بات ہے اس خاتون کی بات پر وہ دونوں ہندو نوجوان خاموش رہے اور کوئی جواب نہیں دیا، جب وہ خاتون مایوس ہوکر جانے لگی تو حضرت مولانا نے کہا کہ بہن! تم فکر نہ کرو، میری سیٹ نیچے کی ہے، جب تمہارے سونے کا وقت ہو تو تم یہاں آکر سو جانا اور میں اوپر کی سیٹ پر سو جاؤں گا، یہ سن کر اسے واقعی تعجب ہوا کہ ایک ادھیڑ عمر کا آدمی اس طرح ایثار سے کام لے رہا ہے، جب کہ جاننے والے جانتے ہیں کہ اس وقت مولانا کو نقرس کا مرض تھا اور گھٹنے میں شدید

تکلیف تھی، اسی طرح حضرت کی بینائی بھی سخت متاثر تھی جو امریکہ جا کر آپریشن کرانے کے بعد بحال ہوئی، انہی سب امراض کے سبب مولانا عبداللہ صاحب نے حضرت سے کہا کہ آپ نے یہ کیا غضب کر دیا؟ آپ اب کیسے آرام فرمائیں گے؟ تو مولانا نے عجیب وغریب بات کہی کہ مولوی عبداللہ! اسلام کا اخلاقی نظام پیش کرنے کا موقع بار بار نہیں ملتا، اگر کبھی موقع ملے تو چاہے مشقت اٹھانی پڑے لیکن اس کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیے۔ یہ بات بھی دیکھنے میں چھوٹی ہے لیکن اس کے بھی بعض اوقات بڑے نتائج دیکھنے میں آتے ہیں۔

بھائیو اور دوستو!

اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہی ہے کہ ایک طرف مدارس ہیں جن کی حفاظت کا کام ہمیں کرنا ہے، وہ ہمارے لیے بنیاد اور ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں، اگر یہ مدارس نہ ہوں تو ہمیں شریعت کون بتائے گا؟ ہمیں اسلام کی اخلاقی زندگی کون بتائے گا؟ ہمیں سیرت کے واقعات کون بتائے گا؟ ہمیں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کون سکھائے گا اور ہمیں عقائد واخلاق کی باریکیاں کون بتائے گا؟ حقیقت میں یہ کام مدارس کا ہے کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو باریکیوں کے ساتھ بتائیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کیا تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا طریقہ اختیار کیا؟

سیرت کے واقعات ایسے ہیں جو اخلاقی زندگی کی آخری مثالیں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو لوگ شہید کرنے آئے اور قتل کے ارادے لے کر آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کس طرح معاف فرمایا، فتح مکہ ایک بڑی مثال ہے، جب سارے دشمن آپ کے سامنے تھے جنھوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، انہوں نے بار بار مدینہ منورہ پر حملے کیے، صحابہ کو شہید کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک پر کڑیاں گڑ گئیں اور خون جاری ہوا، سب کچھ ہوا، یہ ساری دشمنیاں کرنے

والے اس موقع پر موجود تھے اور آپ کے ساتھ ایک مسلح فوج تھی، اگر آپ چاہتے تو سر قلم کر دیئے جاتے، لیکن آپ ﷺ نے صاف اعلان فرما دیا:

”لا تثريب عليكم اليوم اذهبوا فأنتم الطلقاء.“

(السنن الكبرى للنسائى: ۱۱۲۹۸)

(آج تم پر کوئی دارو گیر نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔)

آپ ﷺ نے یہ جو تاریخی مثال قائم کی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ﴿يَدْخُلُونَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجاً﴾ (لوگ دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں) کا سماں بندھ گیا اور یہ پوری سورۂ شریفہ نازل ہوئی:

﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ☆وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجاً☆فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّاباً﴾

(جب اللہ کی مدد آ گئی اور فتح (ہو گئی) اور آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے اور اس سے استغفار کیجیے یقیناً وہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔)

ظاہر ہے اس دین میں فوج در فوج داخل ہونے کا سب سے بڑا سبب آپ ﷺ کا عفوو درگزر تھا، اگر دیکھا جائے تو آپ ﷺ کی پوری زندگی میں اخلاق کی آخری جو شکل ہو سکتی ہے جس کا شاید کوئی تصور بھی نہ کر سکے وہ باتیں آپ کی زندگی میں نظر آتی ہیں۔

ہمیں سیرت کی یہ باتیں کہاں سے ملیں گی؟ ظاہر ہے یہ کام ہمارے علماء کا ہے، ہمارے مدارس کا ہے، دوسری طرف ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اسلامی نظام زندگی کا نمونہ پیش کریں، ہم جس میدان میں بھی ہیں، کوئی ڈاکٹر ہے، کوئی آفیسر ہے، کوئی مزدور ہے، غرض ہر ایک کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی حیثیت سے اس نمونہ کو اختیار کرے جو نمونہ اللہ کے رسول ﷺ نے دیا اور ایسی زندگی گزارنے کی کوشش کرے کہ اس کو دیکھ

کر لوگ یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جائیں کہ یہی اصل اسلام ہے۔

آج افسوس ہے کہ معاملہ الٹ گیا، میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ آج مسلمانوں کو دیکھ کر اسلام کو متہم کیا جاتا ہے اور مسلمانوں کو دیکھ کر اللہ کے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں زبانیں بے باک ہوتی ہیں۔ یہ صورت حال جو اس وقت ہمارے سامنے ہے، یہ صرف اس لیے ہے کہ ہم نے اسلام کی وہ تعلیمات جن کا تعلق اجتماعی نظام سے ہے، سماجی نظام سے ہے، آپس کے روابط اور ایک دوسرے کے تعلقات سے ہے، ہم نے ان سب تعلیمات کو چھوڑ دیا۔

میں آپ سے یہ بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ایک طرف مدارس کی حفاظت ہمارا فریضہ ہے جہاں سے ہماری بنیاد مضبوط ہوگی، یہی وہ تنا ہے کہ اگر یہ رہے گا تو یہ درخت بھی سرسبز وشاداب رہے گا اور اگر خدانخواستہ اس تنے میں گھن لگ گیا یا اس کو کمزور کیا گیا تو درخت کی یہ پتیاں جو سرسبز وشاداب نظر آرہی ہیں اور یہ درخت جو پھل دے رہا ہے، ہوسکتا ہے کہ پورا درخت خشک ہو جائے، لیکن اسی کے ساتھ اس درخت کی شادابی میں بڑا حصہ ہمارے اخلاقی نظام کا بھی ہے، ہمیں اپنا اپنا جائزہ لینے کی ضرورت ہے، ہم جس میدان میں بھی ہیں اور ہم جو کر سکتے ہیں، ہمیں اس میں آگے بڑھنا چاہیے۔

میں آپ سے یہ بات عرض کرتا ہوں کہ اس وقت یہ ملک جس دوراہے پر کھڑا ہے اور ہم جن خطرات سے دوچار ہیں، گویا پانی سر سے اونچا ہو رہا ہے، آج مسلمانوں کے بارے میں جو کچھ کہا جا رہا ہے اور جس طرح تیزی کے ساتھ غلط فہمیاں پھیلائی جا رہی ہیں، ایسے ایسے واقعات پیش آرہے ہیں، حیرت ہوتی ہے کہ کیا یہ بھی ممکن ہے؟

ملیح آباد لکھنؤ میں ایک مسجد تعمیر ہو رہی تھی، ہمارے ایک تعلق والے بھائی سلیمان صاحب رحیم آبادی اس مسجد کو بنوا رہے تھے، انہوں نے یہ واقعہ ہمیں سنایا کہ جب مسجد بن گئی تو ٹھیکیدار ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا: ہمارے یہاں گاؤں میں مشہور ہے کہ

جب مسلمانوں کی کوئی مسجد بنتی ہے تو اس کی بنیادوں میں یا چھت پڑتے وقت کسی جگہ گائے کا خون وغیرہ ضرور ڈالا جاتا ہے، اگر وہ نہ ڈالا جائے تو مسجد کی تعمیر مکمل نہیں سمجھی جاتی، اسی لیے میں نے اپنے مزدوروں سے کہہ دیا تھا کہ جب گائے کا خون ڈالا جائے تو تم لوگ دھیان رکھنا، لیکن مسجد کی تعمیر مکمل ہو چکی اور آپ نے ایسا کوئی عمل نہیں کیا۔ بھائی سلیمان نے اس سے کہا کہ گائے کا خون نجس ہوتا ہے اور ایک پاکیزہ ومقدس جگہ پر ہم نجس چیز کیسے ڈال سکتے ہیں؟! یہ تو بالکل لغو بات ہے۔

آپ غور کیجیے کہ لوگوں میں کیسی کیسی باتیں مشہور ہیں، ایک مرتبہ پیام انسانیت کے ایک جلسہ میں کسی ہندو نے یہ بات کہی کہ ہمارے یہاں بعض علاقوں میں یہ شہرت تھی کہ جب مسلمان مغرب کی نماز پڑھنے جاتے ہیں تو ان کے یہاں یہ تصور ہے کہ اگر اس وقت کسی غیر مسلم کا قتل کر دیا جائے تو نماز پوری طرح قبول ہو جاتی ہے۔

اسی قبیل کا ایک واقعہ ہمارے بڑے بھائی مولانا عبداللہ حسنی صاحبؒ بھی سنایا کرتے تھے کہ ایک شخص ان سے ملنے آیا، مولانا اس کو ندوہ میں مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی عمارت میں اوپر ایک ہال میں لے گئے، تو اس کا حال یہ تھا کہ نوجوان ہونے کے باوجود گھبراہٹ کی وجہ سے اس کو زینہ چڑھنا مشکل تھا، جب وہ صوفے پر بیٹھا تو گر پڑا، جیسے ٹانگوں کی جان ہی نکل گئی ہو، پھر وہ مولانا کی باتوں سے مطمئن ہوا اور ملاقات خوش گوار رہی، اس کے بعد جب دو چار مہینے گزر گئے تب اس نے بتایا کہ پہلی مرتبہ جب آپ مجھے اوپر لے جا رہے تھے، اس وقت میرے دماغ میں اچانک وہ بات گھوم گئی جو ہمارے یہاں بڑی مشہور ہے کہ اگر کسی مسلمان کو کوئی غیر مسلم مل جائے تو وہ اس کو ذبح کرتے ہیں اور اس کے کباب بنا کر مزے لے لے کر کھاتے ہیں، اسی لیے جب آپ اوپر لے جا رہے تھے تو میرے پیر کانپ رہے تھے اور مجھے لگ رہا تھا کہ آج میری خیر نہیں، اب تو میں یہاں سے بھاگ بھی نہیں سکتا، اس وقت ایسا محسوس

ہوا تھا کہ گویا پیروں تلے زمین کھسک گئی ہو۔

ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے اندر کیسی غلط فہمیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔

بھائیواور دوستو!

ان حالات میں ہمیں دو مضبوط کام کرنے پڑیں گے؛ ایک طرف اپنی اخلاقی زندگی کا نمونہ پیش کرنا ہوگا اور اس کے لیے بہت کچھ رفاہی کام کرنے پڑیں گے، تاکہ لوگ یہ دیکھیں کہ مسلمان کیا ہوتے ہیں؟ اسی کے ساتھ دوسری طرف ہمیں ذہن سازی کا کام بھی کرنا پڑے گا، ڈائیلاگ کرنا، کارنر میٹنگیں کرنا، لوگوں کی ذہن سازی کرنا، یہ سب اسی سلسلہ کی عملی کوششیں ہیں تاکہ ہم لوگوں کو حقائق سے آگاہ کر سکیں۔ اگر ہم نے یہ عملی نمونے رکھے اور ہم نے اس میں تھوڑا سا وقت لگا لیا تو انشاء اللہ ہم دیکھیں گے کہ اس کے کیسے اچھے نتائج ہمارے سامنے آتے ہیں۔

ہماری اصل ذمہ داری یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں تمام انسانوں کے لیے بنایا ہے، انسانوں کو صحیح راستہ دکھانے کے لیے بنایا ہے، آپ دنیا میں دیکھئے کہ آج کیا ہو رہا ہے؟ آپ یورپ وامریکہ جایئے، وہاں لوگ نیند کی دو دو گولیاں کھاتے ہیں اور اس کے بعد بھی انہیں نیند نہیں آتی، کوئی سمندر کے کنارے پڑا ہوا ہے، کوئی جنگلوں میں ٹہل رہا ہے، کوئی مٹھوں میں پڑا ہوا ہے، بہت سے لوگ ہیں جو سکون کی تلاش میں پریشان ہیں، حالانکہ سکون تو اللہ کی یاد میں ہے، سکون تو اللہ کے نام لینے میں ہے، جب اس پیدا کرنے والے سے رشتہ مضبوط ہوتا ہے، وہاں سے جو سکون ملتا ہے، وہ کہیں سے نہیں مل سکتا اور یہ وہ سکون ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو دیا ہے، اس زندگی کا راستہ ہمیں بتایا ہے، ہماری ذمہ داری یہ تھی کہ ہم دوسروں کے سامنے ایک ایسا نمونہ رکھتے کہ اس کو دیکھ کر لوگ سکون پاتے، افسوس کہ آج ہمیں دیکھ کر لوگوں کو سکون نہیں مل رہا ہے بلکہ وہ پریشان ہیں، یہاں تک کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کو یہاں سے نکالو۔

حیدرآباد کا قصہ ہے، وہاں ایک کالونی بنی، اس کالونی میں ایک مسلمان نے فلیٹ خریدنا چاہا مگر اس کا مالک فلیٹ دینے کو تیار نہ ہوا، جب اصرار زیادہ ہوا تو اس نے اپنی عدم رضامندی کی وضاحت کرتے ہوئے عجیب بات کہی کہ جہاں مسلمان بستے ہیں وہاں تین باتیں پیش آتی ہیں: پہلی یہ کہ وہاں جہالت ہوتی ہے، دوسری یہ کہ وہاں آپس کے جھگڑے ہوتے ہیں اور تیسری یہ کہ وہاں گندگی ہوتی ہے۔

آپ غور کریں کہ اس وقت ہم مسلمانوں نے غیروں کے سامنے کیا تصور پیش کیا ہے؟ گویا بات بالکل الٹ گئی، اسلام تو سب سے پہلا مذہب ہے جو علم کی آب یاری کرنے والا ہے، اس نے اپنی سب سے پہلی وحی میں علم کا تذکرہ کیا، پڑھنے کا تذکرہ کیا اور قلم کا تذکرہ کیا، اسی طرح نظافت اور صفائی ستھرائی کو ایمان کا حصہ بتایا گیا ہے، اس کے علاوہ آپس کے جھگڑوں کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ

”فساد ذات البین الحالقة.“(سنن أبی داؤد: ۴۹۲۱)

یعنی آپس کے جھگڑے دین کو اس طرح مونڈ دیتے ہیں جیسے استرے سے سر کے بال صاف کردیئے جاتے ہیں۔

سوچنے کی بات ہے کہ جس دین کی دعوت ایسی صاف شفاف ہو اور اسی دین کے ماننے والوں پر ایسی تہمتیں لگائی جائیں، آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ ظاہر ہے اس کی وجہ صاف ہے، آج ہماری زندگی، ہمارا سماج اور ہمارے محلے اسلام کی غلط ترجمانی پیش کررہے ہیں۔ مجھے ایک مسلم علاقہ میں جانے کا اتفاق ہوا، جہاں بہت گندگی نظر آئی، میں نے اس پر نکیر کی تو کسی نے کہا کہ یہ میونسپلٹی کی غلطی ہے، میں نے ان سے یہ بات کہی کہ بحیثیت مسلمان بھی ہم پر کچھ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ ہم نے اسلام کی تعلیمات کو چھوڑا، اسلام کے اخلاقی نظام کو چھوڑا، حالانکہ اسلام ہمیں کیسی باریکیاں سکھاتا ہے، نبی پاک ﷺ فرماتے ہیں:

"إماطة الأذىٰ عن الطريق صدقة."(صحيح البخاری، باب: ٢٤)

(راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا بھی صدقہ ہے۔)

آج ہمارا کام یہ ہے کہ گھر کا کوڑا گلی میں ڈال دیتے ہیں، یہ کون سا اسلام ہے؟ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر روڈ پر آپ نے گاڑی اس طرح کھڑی کر دی کہ لوگوں کو تکلیف ہو رہی ہے، یہ بھی گناہ کا کام ہے، حدیث میں آتا ہے:

"المسلم من سلم الناس من لسانه ويده."(سنن النسائی: ٥٠١٢)

(صحیح مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے لوگ محفوظ رہیں۔)

اگر ہم نے زندگی کا یہ نمونہ بنایا کہ ہم لوگوں کے لیے نافع بنیں، تو اللہ کا فیصلہ ہے کہ جو چیز نافع ہوتی ہے، دنیا اس کی قدر کرتی ہے اور وہ چیز باقی رہتی ہے، ارشاد ہے:

﴿فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ﴾

(الرعد: ١٧)

(بس جھاگ تو بے کار جاتا ہے اور جو چیز لوگوں کے لیے مفید ہوتی ہے وہ زمین میں باقی رہتی ہے۔)

جھاگ پانی کے بلبلوں کو کہتے ہیں، سوچئے! ترقی کے اس دور میں جب کہ غلاظت وغیرہ بھی قیمتی بن چکی ہے اور وہ بکتی ہے، آج کے اس دور میں بھی جھاگ کی کوئی قیمت نہیں، اللہ نے اپنے کلام میں اسی جھاگ کی مثال دی جس کی کوئی حیثیت نہ تھی اور نہ ہے۔ اگر مسلمانوں میں بھی نافعیت پیدا ہو جائے اور فائدہ پہنچانے کی صلاحیت پیدا ہو جائے تو اللہ کا فیصلہ ہے کہ وہ بھی باقی رہیں گے۔ اللہ کا یہ فیصلہ ہے کہ اسلام رہے گا اور قیامت تک رہے گا، اگر مسلمان دین کے سچے ترجمان بنیں گے تو وہ بھی رہیں گے اور اگر وہ خود کو کتاب وسنت سے الگ کر لیں گے تو پھر ان کی کوئی ضمانت نہیں۔

اس وقت کی ضرورت ہے کہ ہم مکمل دین کو اختیار کریں، قرآن کی تعلیمات کو

اختیار کریں، قرآن سے اپنے آپ کو پوری مضبوطی کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کریں، اللہ تبارک وتعالیٰ کا وعدہ ہے کہ

﴿إِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر: ۹)

(ہم ہی نے اس نصیحت (نامہ) کو اتارا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔)

اس کتاب سے جو اپنے آپ کو مضبوطی سے جوڑ لے گا تو یقیناً اللہ اس کی بھی حفاظت کرے گا، دین سے وابستگی ضروری ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کا مکمل نظام زندگی اپنایا جائے، ہمارے اخلاق اسلامی ہوں، سیرت کا نمونہ ہمارے سامنے ہو، اس کا عکس اور اس کی روشنی ہماری زندگی پر ہو، پھر آپ دیکھئے کہ کس طرح لوگ آپ کے گرویدہ ہوتے ہیں اور آپ کی خوشامد کرتے ہیں۔

آپ کی اس حاضری کا اصل مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کا جائزہ لیں، انفرادی سطح پر بھی ہم کام کو آگے بڑھائیں اور اجتماعی طور پر بھی کوشش کریں، اس وقت حالات بہت خراب ہو رہے ہیں، ان حالات میں پیام انسانیت کا مشن یہ ہے کہ ان کو نارمل کیا جائے، لوگ ہاسپٹل وزٹ کریں، لوگوں کو کھانا کھلائیں یا اسی طرح کے دوسرے بہت سے رفاہی کام ہیں جو اس وقت کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح برائیوں سے دور کرنے کا مشن ہے جیسے نشہ کی لعنت سے لوگوں کو نکالنا اور جو لوگ برائیوں میں لت پت ہو رہے ہیں' ان کو وہاں سے نکالنا، حقیقت میں ہم سب ایمان والوں کی یہ بنیادی ذمہ داری ہے، امر بالمعروف بھی ہمارا فریضہ ہے اور نہی عن المنکر بھی ہمارا فریضہ ہے۔ اگر یہ سب کام ہم کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت کے فیصلے کرے گا۔

امت مسلمہ' امت نافعہ ہے، اللہ نے اس امت کو اسی لیے پیدا کیا کہ وہ ساری انسانیت کو صحیح راستہ بتائے اور غلط راستے سے نکال کر اس کو صحیح مرکز تک پہنچائے، اگر

ہم نے یہ کام کیا تو انشاء اللہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے ہماری بقا کا فیصلہ ہوگا۔ حقیقت میں اس وقت لوگ اس چیز کے متلاشی ہیں جس کو ہم نے اپنے سینوں میں چھپا کر رکھ لیا ہے بلکہ میں تو اس سے بڑھ کر یہاں تک کہ کہتا ہوں کہ ہم نے اس کو اپنی کتابوں میں چھپا کر رکھ لیا ہے، اگر ہم نے اپنی زندگی کے ذریعہ سے وہ امانت لوگوں تک پہنچائی تو یقیناً لوگ ہمارے قدردان ہوں گے اور ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے، یہ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی ضرورت ہے اور انسانیت کی ضرورت بھی۔

آپ حضرات کے یہاں جمع ہونے کا اصل مقصد یہی ہے کہ شاید ہمارے دل میں ایک چنگاری فروزاں ہو جائے اور وہ ہماری زندگی کا مشن ہو جائے، پھر اس کے ذریعہ سے نہ جانے اللہ تعالیٰ کتنی زندگیاں روشن کردے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو توفیق دے، ہم آپ سب کے شکرگزار ہیں کہ آپ حضرات یہاں آئے اور آپ نے اپنا وقت دیا، اس شہر منگلور میں مجھے بار بار حاضری کا موقع ملا، یہاں کے لوگ جس طرح محبت فرماتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور اللہ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم اس دین اور اللہ کے نبی ﷺ کے مکمل ترجمان ہوں اور ہماری زندگی لوگوں کی ہدایت اور ان کے اخلاق صحیح ہونے کا ذریعہ بنے، کم سے کم ان کی غلط فہمیاں تو دور ہوں، اگر ہم نے یہ کام کرلیا تو میں سمجھتا ہوں کہ حالات کے بدلنے کا یہی ایک کامیاب راستہ ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں جابجا یہ بات فرمائی کہ

﴿وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ﴾

(الشوریٰ: ۳۰)

(اور تم جس مصیبت سے بھی دوچار ہوتے ہو وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے اور کتنی چیزیں وہ درگزر کر جاتا ہے۔)

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مصیبتوں میں اسی لیے مبتلا کرتا ہے تا کہ ہمارے اندر ایک احساس اور بیداری پیدا ہو، افسوس کہ سب کچھ گزر گیا لیکن جو بیداری پیدا ہونی چاہیے وہ نظر نہیں آتی، بس ہمیں اسی چیز پر توجہ دینی ہے اور کوشش کرنی ہے، اگر ہم نے ارادے کر لیے اور آگے کے لیے ایک نظام بنایا تو انشاء اللہ اللہ کی مدد ہوگی، کام آسان ہوگا اور حالات بدلیں گے، حالات کبھی یکساں نہیں رہتے، سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہی سب کچھ کرتا ہے، اگر ہم نے کام کیا تو اللہ کی مدد ضرور ہوگی، ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

(العنکبوت: ٦٩)

(اور جو بھی ہمارے لیے جان کھپائیں گے تو ہم ضرور ان کے لیے اپنے راستے کھول دیں گے اور یقیناً اللہ بہتر کام کرنے والوں ہی کے ساتھ ہے۔)

بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نصرت وحمایت ان لوگوں کے ساتھ ہے جو اللہ کے راستے میں کام کرتے ہیں۔ اللہ ہم سب کو اس کی توفیق دے، آج کے اس اجلاس کو مفید بنائے، آپ کے آنے کو خیر کا ذریعہ بنائے اور جن لوگوں نے اس کا انتظام کیا اللہ نے انہیں بھی جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

۵/جون ۲۰۲۵ء
گیا، بہار

زمانہ کی نبض شناسی اور دانشوران ملت کا فریضہ

الحمد لله رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا ونبینا ومولانا محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ أجمعین وعلیٰ من تبعھم بإحسان ودعا بدعوتھم إلیٰ یوم الدین أما بعد، فأعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم: ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ صدق اللّٰہ العظیم.

حضرات علماء کرام، دانشوران ملت اور میرے دینی وایمانی بھائیو!

اس وقت موجودہ صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے پیام انسانیت اور صحیح اسلامی اخلاق کو پیش کرنے کی ضرورت سب سے بڑھ کر ہے، اس وقت ہمارے ملک کی صورت حال سے آپ اچھی طرح واقف ہیں کہ آپس میں کس طرح دوریاں پیدا کی جا رہی ہیں، اسلام اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کی کیسی غلط تصویر پیش کی جا رہی ہے، اس وقت ذرائع ابلاغ اور میڈیا پوری طرح اسی کام میں لگا ہوا ہے، چاہے وہ پرنٹ میڈیا ہو یا الکٹرانک میڈیا ہو، اس کے لیے تمام طریقے اختیار کیے جا رہے ہیں اور سارے کے سارے وسائل اس طرح استعمال کیے جائے رہے ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کی ایک بھیانک تصویر لوگوں کے سامنے پیش کی جا سکے۔

ایسی صورت حال میں ہر صاحب فہم سمجھتا ہے کہ اگر ہم نے آگے بڑھ کر یہ غلط فہمیاں دور نہ کیں اور اسلام کی صحیح تصویر پیش نہ کی تو آگے حالات مزید خراب ہوتے چلے جائیں گے، اس وقت ہم جتنا چاہیں لیکن اس سیلاب کو روکنا ہمارے لیے مشکل ہوگا۔ آپ سب جانتے ہیں کہ جب باندھ ٹوٹنے لگتا ہے تو اگر پہلے ہی مرحلے میں اس کے انسداد کی تدابیر اختیار کرلی جائیں تو کسی حد تک کنٹرول ہوجاتا ہے، لیکن اگر اس سلسلہ میں غفلت سے کام لیا جائے اور تاخیر کی جائے تو اس باندھ کو سنبھالنا کوئی آسان کام نہیں، پھر جب سیلاب آتا ہے تو وہ خس وخاشاک کی طرح سب کو بہالے جاتا ہے۔

اس وقت کی صورت حال یہ ہے کہ نفرت اور بھید بھاؤ کا ایک سیلاب ہے، اسلام کی ایسی بھیانک تصویر لوگوں کے سامنے پیش کرنے کا ایک سیلاب ہے جو تیزی کے ساتھ داخل ہورہا ہے اور گھر گھر داخل ہورہا ہے، اگر خدانخواستہ ایسی صورت حال میں ہم بیدار نہ ہوئے اور ہم نے اس کے انسداد کی کوششیں وتدابیر اختیار نہ کیں تو اس ملک میں ہمارا وجود خطرہ میں پڑ جائے گا۔

میں اکثر ایک مثال عرض کرتا ہوں کہ اگر کوئی کسی کالونی میں ایک فلیٹ خریدے اور اس کے متعلق وہاں کے لوگوں کا یہ تصور ہو کہ یہ آدمی بہت خطرناک ہے، اگر یہاں یہ رہے گا تو نہ جانے کالونی کا حال کیا ہوگا؟ ایسی صورت میں وہ سارے لوگ اس بات پر متفق ہوجائیں گے کہ کسی بھی حال میں اس کو یہاں سے باہر نکالنا ہے۔ غور کا مقام ہے کہ اس ملک کے اندر اگر مسلمانوں کے بارے میں بھی یہی تصور قائم ہوگیا کہ یہ لوگ مارکاٹ والے ہیں، یہ لوگ جھگڑے والے ہیں، یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے اندر عام طور پر جہالت پائی جاتی ہے، ان کے یہاں آپس کی لڑائیاں ہیں اور گندگی ہے، ظاہر ہے یہ ایسی صورت حال ہے کہ اس کے بعد ہمیں کوئی گوارا نہیں کرسکتا بلکہ ہم سے یہی کہا جائے گا کہ آپ اس ملک کو چھوڑ دیجیے اور آپ کو جہاں جانا ہو وہاں چلے

جائیے، لیکن اگر ہم نے یہ سمجھ لیا کہ یہ ایک غلط فہمی ہے جو پیدا کی جارہی ہے اور ہمیں اس کو دور کرنا ہے تو یقیناً لوگوں کی ذہنیت درست ہوگی اور حالات بدلیں گے۔

یاد رکھئے! اگر ہم اپنے برادران وطن سے دوریاں بڑھائیں گے تو یہ غلط فہمیاں مزید بڑھیں گی، لیکن اگر ہم ان کے ساتھ ملیں جلیں گے اور ان کے ساتھ اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کریں گے تو یقیناً یہ غلط فہمیاں جو پھیلائی جارہی ہیں' بڑی حد تک دور ہوں گی۔ ہمارے سامنے اس کی ایک دو نہیں' پچاسوں مثالیں موجود ہیں، الحمدللہ جہاں بھی پیام انسانیت کی کوششیں کی جارہی ہیں، ان کے بڑے اچھے نتائج نظر آرہے ہیں۔

پیام انسانیت کا کام رفاہی اور خدمت خلق کا ہے، ظاہر ہے کہ خدمت خلق کا عمل بجائے خود ایسا ہے کہ اس سے لوگوں پر ایک اثر پڑتا ہے اور ہمیں تو یہ حکم دیا گیا ہے، اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"خالق الناس بخلق حسن."(مسند أحمد: ٢٢٧٠٩)

(لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔)

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں تمام لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تعلیم دی گئی، چاہے کوئی مسلمان ہو یا غیر مسلم!

پیام انسانیت کے رفاہی اور خدمت خلق کے کاموں سے دل بدلتے ہیں، اس سے دماغوں پر ایک اثر پڑتا ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ یہ فی نفسہٖ ثواب کا کام ہے، آپ کسی کی خدمت کریں تو اس کا اجر ملتا ہے، ایک حدیث قدسی میں ہے:

قیامت کے روز اللہ ایک بندہ کو بلائے گا اور پوچھے گا کہ میرا فلاں بندہ بھوکا تھا مگر تم نے اس کو کھانا نہیں کھلایا؟ وہ کہے گا: اے اللہ! تو رب العالمین ہے اور تمام خزانوں کا مالک ہے، تو بھوکا کیسے ہوسکتا ہے؟ اللہ فرمائے گا کہ میرا فلاں بندہ بھوکا تھا، اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔(صحیح مسلم: ٦٧٢١)

سوچنے کی بات ہے کہ حدیث قدسی میں مسلمان بندہ کا تذکرہ نہیں بلکہ اللہ کا کوئی بھی بندہ جو بھوکا ہو، جو ضرورت مند ہو اور اس کے پاس علاج کے پیسے بھی نہ ہوں، اس کے پاس پہننے کے لیے کپڑے نہ ہوں، اگر آپ اس کی مدد کر دیتے ہیں تو یہ ایسی چیز ہے کہ اس سے اللہ راضی ہوتا ہے اور یہ اللہ کی معرفت کا ذریعہ ہے۔ اسی لیے خدمت کا عمل ایسا ہے کہ اس سے اللہ راضی ہوتا ہے۔

خدمت کے عمل کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے لوگوں کی غلط فہمیاں بھی دور ہوتی ہیں، آج لوگوں کے ذہنوں میں مسلمانوں کے بارے میں یہ تصور ہے کہ یہ بس اپنی مسجد اور اپنا مدرسہ جانتے ہیں، نہ انہیں اس ملک سے کوئی مطلب ہے اور نہ ہی انہیں اس دنیا سے کوئی سروکار، حقیقت میں یہ ایک ایسی غلط فہمی عام ہوگئی کہ اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کو دوسری نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، لیکن اگر ہم میدان عمل میں آکر یہ ثابت کریں گے کہ جو بات کہی جارہی ہے وہ بالکل غلط اور خلافِ واقعہ ہے تو یقیناً اس سے ذہن بدلیں گے۔

آپ یاد رکھئے! جب کوئی بات بار بار کہی جائے تو لوگ اسے سچ سمجھنے لگتے ہیں، چاہے وہ بات کتنی ہی جھوٹی ہو، لیکن اگر ہم عملی طور پر یہ ثابت کریں کہ جو بات کہی جا رہی ہے وہ بالکل غلط ہے تو یقیناً اس سے ذہن بدلتے ہیں اور حالات میں تبدیلی بھی آتی ہے۔ اس سلسلہ میں خدمت کا عمل ایسا ہے کہ اس کے نتیجہ میں الحمد للہ ہمارے سامنے بڑی تبدیلیاں نظر آتی ہیں۔

میں اکثر یہ بات کہتا ہوں کہ پیام انسانیت کا کام دو پہیوں پر چل رہا ہے، ایک طرف عملی یعنی خدمت خلق کی محنت ہے اور دوسری طرف نظریاتی یعنی ذہن سازی کی محنت ہے، اس کے لیے الحمد للہ ہم نے پورے ملک میں کوششیں کیں، جگہ جگہ بڑے بڑے ڈائیلاگ کیے گئے، کارنر میٹنگیں کی گئیں، بڑے بڑے جلسے کیے گئے جس میں بڑی تعداد میں برادران وطن شریک ہوئے اور الحمد للہ ان کے ذہنوں میں ایک نمایاں

تبدیلی محسوس کی گئی، جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان کیا کرتے ہیں اور ان کے اندر اس ملک کے لیے اور یہاں کے رہنے والوں کے لیے کیسے غیر معمولی جذبات ہیں اور یہ لوگ خدمت کا کیسا جذبہ رکھتے ہیں؟! جب ان باتوں کو ان کے سامنے رکھا گیا تو ان کے ذہنوں میں ایک تبدیلی نظر آئی۔

حیدرآباد میں دو سال پہلے ایک بڑا ڈائیلاگ ہوا، اس میں شہر کے اہم لوگ شریک تھے، انہی شرکاء میں سے کسی کالج کے ایک پرنسپل بھی تھے، شروع میں تو ہم یہ سمجھے کہ شاید وہ کسی مٹھ کے پجاری ہوں گے، لیکن جب ان سے بات ہوئی اور ان کو اخیر میں بولنے کا موقع دیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک بڑے کالج کے پرنسپل ہیں، انہوں نے جو بات کہی وہ سننے کے لائق ہے، انہوں نے کہا کہ آپ لوگوں نے جو باتیں کہیں اور آپ لوگ جو کام کر رہے ہیں' یہ اس وقت کی ایک بڑی ضرورت ہے، پھر وہ بولے کہ آج ہمارے تعلیمی اداروں میں انتہائی اخلاقی دیوالیہ پن محسوس ہوتا ہے اور غیر معمولی انحطاط نظر آتا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے یہاں کالجز میں آئیں اور بچوں کو اخلاقی تعلیم دیں۔

آپ غور کیجیے، اگر کسی کا ذہن دوسرا ہوگا تو وہ یہ بات کیسے کہہ سکتا ہے کہ آپ ہمارے گھر میں آیئے اور ہمارے یہاں آکر حسن اخلاق کا درس دیجیے۔ یقیناً ذہنوں کے اندر جو تبدیلی پیدا ہوتی ہے، اس کے نتیجہ میں الحمد للہ اس طرح کی باتیں ہمارے سامنے آتی ہیں، اس سلسلہ کے ایسے بے شمار واقعات ہیں جو اس کی واضح دلیل ہیں۔

لکھنؤ کے بلرام پور ہسپتال میں عرصہ سے پیام انسانیت کی محنت ہو رہی ہے، ندوۃ العلماء کے طلبہ وہاں ہر ہفتہ جا کر ہاسپٹل وزٹ کرتے ہیں، مریضوں کی عیادت کرتے ہیں، پھل فروٹ تقسیم کرتے ہیں، کبھی ضرورت ہوتی ہے تو ان کے لیے دوائیں بھی خرید کر لاتے ہیں، اس طرح کی بہت ساری محنتیں وہاں ہوتی ہیں، الحمد للہ اس کے بڑے فوائد ہمارے سامنے آئے، اس ہاسپٹل کے سابق ڈائریکٹر آر ایس

ایس کے پرانے ممبر تھے اوران کے والد یو پی کے وزیراعلیٰ بھی رہ چکے ہیں، ایک مرتبہ انھوں نے یہاں تک کہا کہ ہماراجی چاہتا ہے کہ ہم آرایس ایس سے الگ ہوجائیں اور پیام انسانیت جوائن کرلیں، لیکن ہم نے ان سے یہ بات کہی کہ آپ وہاں رہ کر یہ کام کیجیے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ آپ وہاں رہ کرلوگوں کے ذہنوں پراثرانداز ہوسکتے ہیں اوراس کے نتیجہ میں غلط فہمیاں دور ہوسکتی ہیں۔اس طرح کے واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کام کے کیسے غیر معمولی اثرات پڑتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ہمارے موجودہ برادران وطن میں وہ لوگ ہیں جن کے ذہن مسخ کردیئے گئے ہیں، یا یہ کہ انھوں نے طے کرلیا ہے کہ ہمیں حالات کو بگاڑنا ہے، ایسے لوگوں کو ہمیں صحیح رخ دینے کے لیے اوران تک پہنچنے کے لیے بڑی محنت کرنے کی ضرورت ہے، ان میں کچھ لوگ وہ ہیں جو حقیقت سے واقف نہیں اوران کے اندر غلط فہمیاں پیدا کی گئی ہیں، ایسے لوگوں کو صحیح رخ پر لانا زیادہ مشکل نہیں، جو لوگ سوئے ہوئے ہیں' آپ ان کو جگا سکتے ہیں لیکن جو بہ تکلف سوتے بن رہے ہیں' ان کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں جگا سکتی، جنھوں نے یہ طے کرلیا ہے کہ حالات کو بگاڑنا ہے تو ان کی اصلاح بڑی مشکل ہے، لیکن جو لوگ غلط فہمیوں کا شکار ہیں' ان کی اصلاح کرنا کچھ زیادہ مشکل کام نہیں ہے۔

میں آپ سے یہ بات کہتا ہوں کہ جو لوگ حالات کو خراب کرنے کے لیے پوری طرح آمادہ ہیں اورانھوں نے یہ طے کرلیا ہے کہ ان کو صحیح رخ کی طرف آنا ہی نہیں ہے، ایسے لوگوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے، اگر آپ پورے ملک کا جائزہ لیں تو اندازہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے لوگ بہت کم ہیں، اگر دیکھیں تو شاید پندرہ بیس فیصد مشکل سے ایسے لوگ ہوں گے جنھوں نے گویا یہ بیڑا اٹھا رکھا ہے کہ ہمیں ملک کے حالات کو بگاڑنا ہے، اب ان سے کوئی یہ پوچھے کہ ملک کے حالات کو بگاڑنے والا اس ملک کا

دوست ہے یا دشمن؟! وہ اس ملک کا بہی خواہ ہے یا تباہی و بربادی کے راستے پر لے جانے والا ہے؟! واقعہ یہ ہے کہ جو لوگ ایسی صورت حال پیدا کرنا چاہتے ہیں، وہ اس ملک کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔

میں اکثر ایک واقعہ سناتا ہوں، حضرت مولانا علی میاںؒ اپنے آخری زمانہ میں بیمار تھے، اس وقت کے وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی ان کی عیادت کے لیے ندوہ آئے، وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئے تو حضرت مولانا نے ایک جملہ فرمایا کہ اٹل جی! اس ملک کی فکر کیجیے، یہ ملک تباہی کے راستے کی طرف جا رہا ہے۔ پھر مولانا نے حدیث کی ایک مشہور مثال یوں پیش کی کہ ہم سب ایک کشتی کے سوار ہیں، اس میں کچھ لوگ **Upper Class** میں ہیں اور کچھ لوگ **Lower Class** میں ہیں، اب جب **Lower Class** والے پانی لینے **Upper Class** میں آتے ہیں تو ان کو زحمت ہوتی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ تمہارے آنے سے ہم بہت **Disturb** ہوتے ہیں، ایسی صورت میں نیچے والوں نے ایک حل سوچا اور طے کیا کہ ہم اسی نیچے کے حصے میں ایک سوراخ کر لیتے ہیں تا کہ ہمیں سہولت سے پانی مل جائے، اب اگر وہ ہتھوڑی لے کر اس میں سوراخ کرنا شروع کر دیں اور اس کی آواز بھی اوپر آ رہی ہو لیکن اوپر والے مطمئن ہو کر سو جائیں کہ اب ہمیں کوئی **Disturb** نہیں کرتا تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ جب جہاز میں سوراخ کیا جائے گا اور پانی بھرے گا تو نہ اوپر والے بچیں گے اور نہ نیچے والے محفوظ رہیں گے۔ یہ مثال سنا کر حضرت مولانا نے فرمایا کہ اس وقت کچھ لوگ اس ملک کی کشتی میں سوراخ کر رہے ہیں، اگر ہم ان کے ہاتھ نہیں پکڑیں گے تو یہ ملک غرق ہوگا اور پھر کوئی بچ نہ سکے گا۔

حضرت مولانا یہاں تک کہتے تھے کہ میں سمجھتا ہوں اس سلسلہ میں سب سے بڑی ذمہ داری ہم مسلمانوں کی ہے، ہمارے پاس اخلاقی قدریں ہیں، ہمارے پاس

انسانیت ومحبت کا پورا ایک دستور ہے اور اس سے دنیا کی تمام قومیں خالی ہیں، واقعہ یہ ہے کہ لوگوں کے پاس زندگی کا کوئی نظام نہیں ہے، ان کے پاس بس کچھ رسمیں اور کچھ عادتیں ہیں جن کو وہ اختیار کر لیتے ہیں، لیکن ہمیں زندگی کا پورا نظام دیا گیا، ہمیں اخلاقی قدریں دی گئیں، ہمیں بتایا گیا کہ اپنے بڑوں کی عزت کی جائے اور چھوٹوں پر شفقت کی جائے، ہمارے دین میں ماں باپ کی عظمت بیان کی گئی، ہماری شریعت میں عورت کو اس کا حق بتایا گیا، واقعہ یہ ہے کہ اگر آپ غور کریں تو مذہبی اعتبار سے آپ کو یہ تفصیلات کسی دوسرے مذہب میں نظر نہیں آئیں گی جو اسلام میں نظر آتی ہیں، اسی لیے سب سے بڑی ذمہ داری ہماری اور آپ کی ہے، ہمارے پاس جو دولت ہے، ہم اس دولت کو دوسروں تک منتقل کریں اور پہنچائیں۔

میں نے آپ کے سامنے قرآن مجید کی جو آیت تلاوت کی، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہی بات ارشاد فرمائی:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

(تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے برپا کی گئی ہے تم بھلائی کی تلقین کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔)

واقعہ یہ ہے کہ امت مسلمہ کو دنیائے انسانیت کے لیے برپا کیا گیا ہے، اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے نماز پڑھ لی، ہم نے روزہ رکھا، ہم نے اپنے طور پر دین کا عمل کر لیا اور اپنی ذمہ داری پوری کر دی تو یاد رکھئے! یہ ایک بہت بڑی خیانت ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو دین کی جو امانت عطا فرمائی، شریعت کی جو امانت عطا فرمائی، یہ نظام زندگی جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو عطا فرمایا، یہ صرف اس لیے نہیں ہے کہ ہم عمل کر کے فارغ ہو جائیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ اس لیے دیا کہ ہم اس پر عمل کریں اور

اس کا نمونہ دنیائے انسانیت کے سامنے رکھیں۔ اس وقت دنیا کی جو پیاس ہے، وہ ہم ہی بجھا سکتے ہیں، لیکن افسوس کی بات ہے کہ اس اخلاقی نظام کو ہم نے کتابوں میں بند کر کے رکھ دیا اور ہم اسے دوسروں کے سامنے پیش کرنے کے لیے تیار نہیں۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بار بار تلقین فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ اصل پیام انسانیت یہی ہے کہ ہم اسلام کا نظام اخلاق لوگوں کے سامنے پیش کریں، ہم سچائی اور امانت داری کے ساتھ تجارت کریں، اگر ہم کہیں کاروبار کر رہے ہیں تو ہم دکھائیں کہ اسلام ہمیں کن چیزوں کی تلقین کرتا ہے۔

آپ تاریخ اٹھا کر دیکھئے، آپ کو ایک نہیں، دسیوں مثالیں ملیں گی، سچی بات یہ ہے کہ جب ملکوں میں انقلاب آیا تو وہ انہی اخلاقی قدروں کو دیکھ کر آیا۔ ملیشیا اور انڈونیشیا جہاں الحمدللہ مسلمانوں کی بڑی اکثریت پائی جاتی ہے، وہاں جو اسلام پھیلا وہ کسی جہاد یا لڑائی سے نہیں پھیلا بلکہ وہاں تاجروں کی امانت داری سے اسلام پھیلا۔

قصہ مشہور ہے کہ ایک تاجر جو بزاز تھا، اس سے وہاں کے بادشاہ وقت نے بڑی مقدار میں کپڑے خریدے، مگر بعد میں اس بزاز کو یاد آیا کہ اس نے جو کپڑے بادشاہ کو فروخت کیے تھے، ان میں سے ایک تھان کا کپڑا کٹا ہوا تھا، اس نے سوچا کہ یہ تو اسلام کی اس تعلیم کے خلاف ہے جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، ہمیں تو امانت داری اور سچائی کا حکم دیا گیا ہے، اس لیے ہمیں دوبارہ جا کر اپنا معاملہ صاف کر لینا چاہیے، وہ دوبارہ سفر کر کے وہاں پہنچا اور اس نے بادشاہ سے کہا کہ میں نے آپ کو بعض ایسے تھان بھی فروخت کر دیئے جو کٹے تھے، میں چاہتا ہوں کہ آپ سے وہ تھان واپس لے لوں اور دوسرے تھان دے دوں، یا اگر آپ چاہیں تو اسی اعتبار سے رقم کم کر دیجیے، میں آپ کو وہ رقم واپس کر دوں گا۔ سچی بات یہ ہے کہ معاملات میں ایسی باریکیوں کا کوئی تصور ہی نہیں ہوتا، اسی لیے بادشاہ نے انہیں سر اٹھا کر دیکھا اور بولا کہ کیا آپ صرف اس لیے

دوبارہ سفر کر کے آئے ہیں، ایسا تو عام طور پر نہیں ہوتا، جب آپ یہاں سے چلے گئے تو دوبارہ آنے کی زحمت کون کرتا ہے؟ اس بزاز نے کہا کہ ہمیں ہمارا دین یہی سکھاتا ہے اور ہمارے اسلام نے اسی بات کی ہمیں تلقین کی ہے کہ ہم کسی کو دھوکہ نہ دیں۔ یہ سن کر بادشاہ کے اندر یہ فکر پیدا ہوئی کہ وہ اسلام کے متعلق کچھ جانے، پھر اس بزاز نے اس کے سامنے اسلام کی ایسی دل نشیں تشریح کی کہ بادشاہ اسی وقت مسلمان ہو گیا اور اس کے ساتھ وہاں کی پوری آبادی بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ آج مسلمانوں کا وہ ایک بڑا ملک اسی ایک واقعہ کا رہین منت ہے، وہاں اسلامی اخلاق کا ایک ایسا مظہر سامنے آیا کہ پوری کی پوری آبادی اسلام میں داخل ہو گئی۔

حضرت مولاناؒ اس طرح کے بہت سے واقعات سناتے تھے جن سے صاف طور پر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ سچائی، تواضع اور اسلام کی حقانیت جیسی اہم چیزیں جب جمع ہو جاتی ہیں اور اسلامی نظام اخلاق لوگوں کے سامنے آتا ہے تو ایک نئی دنیا سامنے آتی ہے۔

حضرت مولانا سناتے تھے کہ ایک مرتبہ تیموری شاخ کا ایک شہزادہ شکار کھیلنے کے لیے چلا اور اس نے اپنے وزراء کو ہدایت کی کہ میرے شکار کھیلتے وقت کوئی ایرانی سامنے نہ آئے، اس لیے کہ ایرانی منحوس ہوتے ہیں، اگر وہ نظر آجائیں تو پھر شکار نہیں ملتا، مگر اللہ کا کرنا کہ جب وہ شکار کے لیے آگے بڑھا تو ایک ایرانی بزرگ شیخ جمال الدینؒ وہاں کسی جگہ عبادت میں مشغول تھے، جب یہ آگے بڑھا تو اس کی نگاہ ان پر پڑ گئی اور وہ غصہ سے بپھر گیا کہ اب تو سارا کھیل خراب ہو گیا، اس کا خیال تھا کہ اب ایرانی نظر آنے کے بعد کوئی شکار نہیں ملے گا، اسی لیے غصہ میں اس نے انہیں بلوایا، جب وہ پکڑ کر لائے گئے تو اس نے غصے میں پوچھا کہ تم بہتر ہو یا میرا کتا؟ آپ غور کیجیے، اگر کوئی دوسرا ہوتا تو شاید کچھ اور کہتا کہ حضور! آپ کیسی باتیں کرتے ہیں؟ کیا کتے اور انسان میں کوئی فرق نہیں، مگر انہوں نے بڑے ٹھنڈے لہجہ میں فرمایا کہ ابھی کچھ کہنا

مشکل ہے، اس نے پوچھا: تمہاری اس بات کا مطلب کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر ہمارا خاتمہ ایمان پر ہوا تو ہم بہتر ہیں ورنہ تمہارا یہ کتا بہتر ہے۔

ظاہر ہے یہ ایسی بات تھی کہ شہزادہ پر اس کا بڑا گہرا اثر پڑا اور اس نے پوچھا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ بس ان بزرگ کو موقع ملا، وہ زبان بھی جانتے تھے، انہوں نے اسلام کی ایسی دل نشیں تشریح کی کہ اس نے کہا: میں ابھی مسلمان ہو جاتا لیکن میری تاج پوشی کا وقت قریب ہے، جب میری تاج پوشی ہو جائے، اس وقت آپ آیئے گا تو ہوسکتا ہے کہ میری پوری مملکت بھی اسلام میں داخل ہو جائے۔

یہ بزرگ اس کی تاج پوشی کے منتظر رہے کہ ان کا آخری وقت آپہنچا، انہوں نے اپنے بیٹے کو بلا کر پورا واقعہ بیان کیا اور وصیت کی کہ جب تمہیں اس ولی عہد کی تاج پوشی کی خبر ملے تو تم اس کے پاس ضرور جانا اور اس کو یہ واقعہ یاد دلانا، پھر جب اس کی تاج پوشی ہوئی تو یہ صاحب وہاں پہنچے، مگر دربار تک رسائی آسان کام نہ تھا، اس کے لیے انہوں نے یہ تدبیر اختیار کی کہ ایک ایسے کونے پر اپنا مصلّٰی بچھا لیا جہاں سے محل کے اندر تک آواز جا سکے، ایک دن وہ اسی جگہ فجر کی اذان دے رہے تھے، جس سے بادشاہ کی آنکھ کھل گئی اور اس نے ان کو طلب کر لیا، بس وہ یہی چاہتے تھے، پھر جب صبح کو دربار لگا اور ان کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا، تو انہوں نے بادشاہ کو یاد دلایا کہ آپ ایک مرتبہ شکار پر گئے تھے، وہاں آپ کی ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی تھی، میں آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ الحمدللہ ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے۔

یہ قصہ سنتے ہی اس کو سب کچھ یاد آ گیا اور وہ کہنے لگا کہ میں اسی وقت کا منتظر تھا، مجھے اسلام کے بارے میں بتاؤ، میں کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہونا چاہتا ہوں، پھر اس نے اسی وقت تمام لوگوں سے یہ بات کہی کہ میں مسلمان ہو رہا ہوں اور میری رائے یہ ہے کہ تم لوگ بھی مسلمان ہو جاؤ، اس موقع پر بہت سے لوگوں نے یہ جواب دیا کہ ہم

تو پہلے ہی سے مسلمان تھے لیکن آپ کے ڈر سے اس کا اظہار نہیں کرتے تھے۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ وہ پوری تیموری شاخ ایک دن میں مسلمان ہوگئی اور وہ پورا علاقہ اس سے متاثر ہوا، اقبال کا وہ مشہور شعر اسی موقع کے لیے ہے ؂

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

حقیقت میں یہ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ غیر اللہ کو پوجنے والے اور شرک کرنے والے لوگ تھے لیکن ان پر ایک ایسا جملہ اثر کر گیا جس میں ایمان تھا، جس میں اخلاق تھا، جس میں تواضع تھی، اس کا ایسا اثر پڑا کہ اللہ نے اس کے ذریعہ سے اس پوری شاخ کو اسلام کی آغوش میں لا کر ڈال دیا۔

میرے بھائیو!

ایمان اور اسلام کی یہ وہ حقیقت ہے جس کے نتیجہ میں آدمی کے اندر اخلاق کی بلندی پیدا ہوتی ہے، محبت پیدا ہوتی ہے، تواضع پیدا ہوتی ہے، ہمدردی پیدا ہوتی ہے اور آدمی مستقل دوسروں کے لیے کڑھتا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ اللہ کے نبی ﷺ کی وراثت ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے، ارشاد ہے:

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفاً﴾

(الکهف: ٦)

(بس اگر انھوں نے یہ بات نہ مانی تو لگتا ہے کہ آپ ان کے پیچھے اپنی جان ہلکان کر دیں گے۔)

ہمارے اندر ایک جذبہ پیدا ہو کہ یہ لوگ مرنے کے بعد کہاں جائیں گے؟ ان کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔ ہم نے بعض دعاۃ اور اہل اللہ کے بارے میں یہ سنا کہ اگر راستے میں جاتے ہوئے ان کی نگاہ کسی غیر مسلم پر پڑ جاتی تو ان کا دل کڑھتا تھا اور وہ

کہتے تھے کہ اگراس بے چارے کا خاتمہ ایمان پر نہ ہوا تو نہ جانے اس کا کیا حشر ہوگا؟!

میرے بھائیو!

ہمیں سوچنے کی ضرورت ہے کہ ہماری کیا ذمہ داری ہے؟ جب یہ درد پیدا ہوتا ہے تو آدمی کے اندر ایک نئی دنیا آباد ہوتی ہے اوراس کے دل میں اللہ کے بندوں کے لیے ایک ایسی کڑھن پیدا ہوتی ہے کہ اس کی زندگی میں ایک تبدیلی آتی ہے، آج اسی چیز کی سب سے بڑھ کر ضرورت ہے اور ﴿أُخرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے) کا مطلب یہی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو صرف اس لیے پیدا نہیں کیا کہ ہم صرف اپنی زندگی جی لیں اور ہم یہ سمجھیں کہ ہم نے اپنا حق ادا کر دیا، ہماری ایک ذمہ داری ہے، ہم جس امت سے تعلق رکھتے ہیں وہ امت ''امت دعوت'' ہے، اللہ کے نبی ﷺ جن کو اللہ نے آخری نبی بنایا اور آپ کو آخری شریعت عطا فرمائی، اب اس شریعت کو لے کر چلنا اوراس دین کی دعوت دینا' اس امت کی ذمہ داری ہے اوراس امت میں بھی خاص طور سے جو حضرات علماء اوراصحاب فہم ہیں، جو دانشور طبقہ کے لوگ ہیں اور دین کی سمجھ رکھنے والے ہیں، ان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ دین کی صحیح تصویر پیش کریں اور یہ تصویر سب سے بڑھ کر عمل سے سامنے آتی ہے، اگر ایک مسلمان کی زندگی اسلامی اخلاق کی آئینہ دار ہو تو یقیناً اس کے اثرات پڑتے ہیں۔قرآن مجید میں یہ بات کہی گئی کہ

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ إِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ☆وَلَا تَسْتَوِيْ الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ﴾

(فصلت: ۳۳-۳۴)

(اوراس سے اچھی بات کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اوراچھے

کام کیے اور کہا کہ میں تو فرماں بردار ہوں اور اچھائی اور برائی دونوں برابر نہیں ہیں، (بری بات کا) جواب ایسا دو جو بہت اچھا ہو تو دیکھو گے کہ جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی تھی اب گویا وہ جگری دوست ہے۔)

میں اکثر یہ بات کہتا ہوں کہ آیت میں ﴿قَالَ إِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ سے مراد زبان قال نہیں بلکہ زبان حال ہے، ہماری زندگی ایسی ہو کہ وہ بولتی ہو کہ ہاں! یہ مسلمان ہے، ہمیں اس کے لیے کسی اخبار میں کوئی اشتہار نہیں دینا ہے، ہمیں کوئی پبلسٹی نہیں کرنی ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارا نام درج ہو جائے۔ بس اللہ کے یہاں ہمارا نام درج ہو جائے، اللہ ہمیں وہاں کی سرخ روئی عطا فرما دے، یہ ہمارے لیے سب سے بڑی بات ہے لیکن ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہماری دنیا کی زندگی ایسی ہو کہ ہمارے اخلاق اور ہمارا طرز عمل بولتا ہو کہ یہ مسلمان ہے اور خود ہمارا اسلام بولتا ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ جہاں جہاں مسلمانوں نے یہ طریقے اختیار کیے، وہاں لوگوں کے اندر ایک ایسی تبدیلی پیدا ہوئی جس کے بارے میں سوچا نہیں جا سکتا تھا۔

سہارن پور کے قریب کسی جگہ ایک زمین کو لے کر جھگڑا ہوا، وہاں مسلمان کہتے تھے کہ یہ جگہ مسجد کی ہے جب کہ ہندوؤں کا دعویٰ تھا کہ یہ جگہ مندر کی ہے، وہ زمانہ انگریزوں کا تھا اور ان ہی کی عدالت میں اس زمین کا مقدمہ چل رہا تھا، ایک مرتبہ انہوں نے یہ بات کہی کہ آپ لوگ کسی ایک ایسے فرد کو اپنا حَکَم بنا لیجیے جس کی بات پر ہندو مسلمان دونوں متفق ہوں، وہ شخص جو گواہی دے گا' ہم اسی کی بنیاد پر فیصلہ کر دیں گے، وہاں ایک پرانے بزرگ حضرت مولانا محمود بخشؒ تھے جو حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلویؒ کے عزیز ہوتے تھے، لوگوں نے ان کا نام پیش کیا کہ ہم ان کی بات مان سکتے ہیں، خاص طور پر ہندوؤں نے بھی ان کے نام پر اتفاق کا اظہار کیا، لیکن جب ان سے عدالت میں جانے کے لیے کہا گیا تو وہ بولے کہ میں کبھی انگریز کی شکل نہیں دیکھ سکتا، اس لیے عدالت میں

جا کر میرا گواہی دینا مشکل ہوگا، جب انگریز جج نے یہ بات سنی تو وہ بولا کہ بے شک آپ میری شکل نہ دیکھئے، منھ پھیر لیجیے لیکن عدالت میں آ کر گواہی دے دیجیے، وہ بزرگ اس بات پر راضی ہوگئے، جب وہ عدالت پہنچے تو انہوں نے منھ پھیر کر اس جگہ کے متعلق یہ گواہی دی کہ میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں اور میں بہت زمانہ سے یہ بات جانتا ہوں کہ وہ جگہ حقیقت میں مسلمانوں کی نہیں بلکہ مندر کی ہے۔ اس گواہی کے بعد عدالت میں ایک شور ہوا اور انگریز جج بولا کہ گواہی ہو چکی اور اس گواہی کی بنیاد پر میں ایک بات کہتا ہوں کہ مسلمان مقدمہ ہار گئے اور ہندو جیت گئے، پھر اس نے ایک بات مزید کہی کہ حقیقت میں یہ مقدمہ مسلمان ہار گئے لیکن اسلام جیت گیا۔

وہاں اسلام کیسے جیتا؟ اس کا واقعہ بھی موجود ہے کہ جب عدالت میں فیصلہ ہوگیا تو وہاں کے ہندوؤں نے خود یہ بات کہی کہ یہ بہت عجیب وغریب بات ہے کہ ایک مسلمان اس قدر سچائی کی بات بولے کہ وہ جگہ مندر کی ہے اور مسجد کی نہیں، اس کے نتیجہ میں نہ جانے کتنے لوگ وہاں اسلام میں داخل ہوئے۔

میرے بھائیو!

حقیقت میں اصل چیز یہی ہے، ہم میں بہت سے لوگ ہیں جو بہت سی چیزوں میں ہیرا پھیری کرتے ہیں، یہاں تک کہ بعض مرتبہ دینی چیزوں میں بھی ہیرا پھیری کرتے ہیں، پھر یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے اسلام بلند ہوگا، میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ ہیرا پھیری سے اسلام بلند نہیں ہوتا بلکہ ہیرا پھیری سے ہماری ذلت ہوتی ہے، ہیرا پھیری سے اسلام کی غلط تصویر لوگوں کے سامنے جاتی ہے، ہوسکتا ہے کہ کہیں تھوڑی دیر کے لیے کوئی فائدہ نظر آ جاتا ہو، لیکن اس کے نتیجہ میں جو نقصان ہوتا ہے وہ بہت بڑے پیمانے پر ہوتا ہے۔

اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ کہ ہم اپنے اسلامی اخلاق کے ساتھ

لوگوں کے سامنے آئیں، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہم لوگوں پر اثر انداز ہوں گے اور اسلام کی صحیح تصویر لوگوں کے سامنے جائے گی۔

مجھے ایک صاحب نے امریکہ میں رہنے والے مسلمانوں کے اچھے اخلاق کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا، وہاں بعض علاقوں میں لوگوں کا معمول ہے کہ مسجد سے نکلتے ہوئے کوئی ایک آدمی دروازہ پکڑ کر کھڑا ہوجاتا ہے تاکہ دروازہ کھلا رہے اور نکلنے والوں کو زحمت نہ ہو، اس سلسلہ میں ان کے اندر خدمت کا ایسا جذبہ ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر فرد دوسرے کے لیے دروازہ کھولنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی ضمن میں انہوں نے یہ واقعہ بتایا کہ ایک دن ایک آدمی ہماری مسجد میں داخل ہوا اور الحمدللہ اس نے کلمہ پڑھا، پھر اس نے اپنے کلمہ پڑھنے کا سبب بتاتے ہوئے کہا کہ میں نے اسلام کو سمجھنے کے لیے نہ کسی کتاب کو پڑھا اور نہ ہی سیرت کا مطالعہ کیا ہے بلکہ میں نے مسلمانوں کے اخلاق کو دیکھ کر کلمہ پڑھا ہے اور خاص طور پر آپ لوگوں میں ایک دوسرے کے لیے مسجد کا دروازہ پکڑ کر خدمت کرنے کے جذبہ سے میں متاثر ہوا ہوں۔ آپ غور کریں کہ اس دور میں جب کہ ہماری بداخلاقی انتہا کو پہنچ رہی ہے' یہ بہت بڑی بات ہے۔

ان صاحب نے یہ بات بھی بتائی کہ اگر انہیں کوئی ایسا غریب بچہ نظر آجائے جو اپنی تعلیمی فیس ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو، چاہے وہ کسی مذہب سے تعلق رکھنے والا ہو تو وہ خود اس کی فیس کا بندوبست کرتے ہیں تاکہ کوئی تعلیم سے محروم نہ رہے اور الحمدللہ اس کے بڑے اچھے نتائج ان کے سامنے آرہے ہیں۔

مشہور مصنفہ زیغر یدھونکہ نے سچ کہا ہے کہ "شمس الإسلام تسطع علیٰ الغرب" یعنی اسلام کا سورج مغرب سے نکل رہا ہے، واقعہ یہ ہے کہ وہاں لوگ تیزی کے ساتھ اسلام میں داخل ہورہے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ اس میں وہاں کے مسلمانوں کی اخلاقی زندگی کا بھی بڑا دخل ہے۔

بڑے افسوس کے ساتھ یہ بات کہنی پڑتی ہے کہ ہمارے ان مشرقی ممالک میں خاص طور پر واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے جو طریقہ زندگی اختیار کیا ہے' اللہ کے نبی ﷺ کے مبارک طرز زندگی سے اس کا کوئی جوڑ نظر نہیں آتا، ہماری بداخلاقیاں اس حد تک ہیں کہ ہم اپنی ماں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں، ہمیں اپنا بھائی بھائی نہیں لگتا، اس کے بعد ہم سے یہ امید کون لگائے گا کہ ہم اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کریں گے، وہ پڑوسی جو مسلمان ہو یا نہ ہو' اس کے متعلق بھی آپ ﷺ نے یہاں تک فرمایا:

"لا يدخل الجنة من لا يأمن جارُه بوائقَه." (صحيح مسلم: ۱۸۱)

(وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوسکتا جس کے جھگڑے بکھیڑے سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔)

آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہم کسی محلے میں ہیں، ہم بازار میں کسی دوکان پر ہیں، ہمارے آس پاس رہنے والے عام طور پر آپ دیکھیں گے کہ اگر وہ مسلمان ہیں تو لوگ ان سے کہیں نہ کہیں پریشان ہوتے ہیں، حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ اگر کہیں پر مسلمان کا گھر ہے اور کہیں پر مسلمان کی دوکان ہے تو لوگ اپنے آپ کو بالکل محفوظ و مامون سمجھتے کہ ماشاء اللہ یہاں مسلمان رہتا ہے اور مسلمان کی زندگی ایسی ہوتی ہے کہ اس سے کبھی کسی کو تکلیف نہیں ہوتی، لیکن ہم ان باریکیوں سے واقف نہیں، میں تو اس حد تک باریکی بیان کرتا ہوں کہ اگر آپ مارکیٹ جارہے ہیں، آپ نے کسی جگہ اس طرح گاڑی کھڑی کردی کہ ہر گزرنے والے کو تکلیف ہورہی ہے، آپ سوچتے ہیں کہ اس سے کیا فرق پڑتا ہے، لیکن آپ بھول جاتے ہیں کہ ہمیں کیا تعلیم دی گئی تھی، ہم سے کہا گیا تھا کہ کوئی ایسی چیز اختیار کرنا جس سے لوگوں کو تکلیف پہنچے' پسندیدہ عمل نہیں ہے، حدیث میں ایک صحیح مسلمان کی تعریف تو یہ بیان کی گئی ہے کہ

"المسلم من سلم الناس من لسانه ويده." (سنن النسائی: ۵۰۱۲)

(صحیح مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے لوگ محفوظ رہیں۔)

حدیث میں یہ بھی آتا ہے:

"إماطة الأذیٰ عن الطریق صدقة."(صحیح البخاری، باب: ٢٤)

(راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا بھی صدقہ ہے۔)

اب اگر راستے میں کوئی اپنی گاڑی اس طرح کھڑی کردے جو لوگوں کی تکلیف کا ذریعہ بنے تو آپ خود غور کریں کہ اسلام ہمیں جو اخلاق سکھاتا ہے اور جو طریقہ بتاتا ہے، کیا یہ بات اس سے کہیں کوئی جوڑ رکھتی ہے، لیکن آپ عام طور پر دیکھیں گے کہ مسلمانوں میں یہ ساری باتیں پائی جاتی ہیں۔

میں نے اکثر یہ بات کہی کہ جہاں بڑی آبادیاں مسلمانوں کی ہیں، آپ وہاں جائیے تو آپ کو فوراً اندازہ ہو جائے گا کہ یہاں مسلمان رہتے ہیں، اس لیے کہ آپ کو وہاں عام طور پر گلیوں میں گندگی نظر آئے گی اور سوائے کھانے پینے کے کچھ نظر نہیں آئے گا، عموماً ایسے علاقوں میں رات کے ایک دو بجے تک دو کانیں کھلی رہتی ہیں اور لوگ کھانے پینے اور گپ بازی میں مگن ہوتے ہیں، وہ اپنے وقت کو اس طرح ضائع کرتے نظر آتے ہیں جیسے زندگی کا کوئی مقصد ہی نہ ہو۔ جب کہ واقعہ یہ ہے کہ ان تمام چیزوں سے جس قوم کو سب سے بڑھ کر دور ہونا چاہیے تو وہ مسلمان تھے، آج افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم ان تمام برائیوں میں لگے ہوئے ہیں جن کا اسلام سے دور دور کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ

"الطھور نصف الإیمان."(سنن الترمذی: ٣٨٦١)

(پاکی ایمان کا آدھا حصہ ہے۔)

لیکن ہمارے مسلم محلوں میں کوئی صفائی ستھرائی نظر نہیں آتی۔ اسی طرح اسلام میں سب سے بڑھ کر علم کی تلقین کی گئی اور سب سے پہلی وحی کا آغاز ان الفاظ میں ہوا:

﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ﴾ (العلق: ۱)

(پڑھیے اپنے اس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا۔)

لیکن آپ مسلمان محلوں میں جایئے تو آپ کو وہاں جہالت نظر آئے گی، آپ کو وہاں مسلمان بچے ننگے کھیلتے نظر آئیں گے اور یہ معلوم کرنا مشکل ہوگا کہ یہ مسلمانوں کے بچے ہیں۔

حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ

"فساد ذات البین الحالقة."(سنن أبی داؤد: ٤٢٩٢١)

یعنی آپس کے جھگڑے دین کو اس طرح مونڈ دیتے ہیں جیسے استرے سے سر کے بال صاف کر دیئے جاتے ہیں، لیکن آپ مسلمان محلوں میں جایئے تو آپ کو وہاں جھگڑے نظر آئیں گے، مقدمہ بازیاں نظر آئیں گی، دوسروں کا حق مارنا اور دبانا، وراثت کی تقسیم شریعت کے مطابق نہ کرنا نظر آئے گا، اس کے نتیجہ میں حالت یہ ہے کہ ایک بھائی اپنے سگے بھائی کا گلا کاٹنے کے لیے تیار ہے۔

میرے دوستو اور بھائیو!

آج اس بات کی سب سے بڑھ کر ضرورت ہے کہ ہم اسلام کی زندگی کو اختیار کرنے کی کوشش کریں، اسلامی نظام اخلاق کو اپنے اندر پیدا کریں، سب سے بڑھ کر جو دعوت ہے وہ ہماری زندگی کی دعوت ہے، اگر ہماری زندگی اسلام کے سانچے میں ڈھل گئی اور ہم نمونہ بن گئے تو یہ ہماری عملی زندگی کی وہ دعوت ہے جو دعوت اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کی اور آپ کے جاں نثار حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے پیش کی، پھر ان کے بعد حضرات اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے پیش کی جن کو دیکھ کر لوگ اسلام میں داخل ہو جاتے تھے۔

خواجہ خواجگان حضرت شیخ معین الدین چشتی اجمیریؒ جن کے ذریعہ سے لاکھوں لاکھ لوگ اسلام میں داخل ہوئے، آپ ان کے اخلاق کی بلندی دیکھئے، واقعہ یہ ہے کہ

ان کا ایمان واخلاق ایسا تھا کہ لوگ آتے تھے اوران کے فریفتہ ہوجاتے تھے، پھراس کے نتیجہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو ہدایت عطافرمادیتا تھا۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج ہمارا حال ایسا ہے کہ اس کا اسلام کی اصل تصویر سے کوئی جوڑ نظر نہیں آتا۔

میں آپ سے سب سے بنیادی اور پہلی بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمیں سب سے پہلے اپنی زندگی کو بہتر بنانا ہے، ہمیں اپنی زندگی کے رخ کو درست کرنا ہے، ہمیں اپنے اندر اسلامی اخلاق پیدا کرنے ہیں، ہمیں اپنے نظام معاملات کو درست کرنا ہے، آج ہمارے معاملات کی خرابی یہاں تک ہے کہ ایک آدمی مسجد میں نماز پڑھ رہا ہے اور وہ اس مسجد کا متولی بھی ہے مگر اسی کے ساتھ وہ سودی کاروبار بھی کررہا ہے۔

کسی جگہ ایک صاحب مسجد میں بیان کرنے پہنچے، وہاں لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ اپنے بیان میں سب کچھ کہیں لیکن سود کے متعلق کچھ نہ کہیں، انہوں نے اس پر نکیر کی اور کہا کہ اس سے بڑھ کر لعنت کا کام کون سا ممکن ہے؟! تب لوگوں نے بتایا کہ ہماری مسجد کے متولی صاحب کا سودی کاروبار ہے، اگر آپ اس موضوع پر گفتگو کریں گے تو وہ ناراض ہوجائیں گے، یہ سن کر ان کی ایمانی غیرت جاگ اٹھی اور وہ بولے کہ اب میں اسی پر تقریر کروں گا پھر انہوں نے تقریر کی اور اپنی پوری بات کہی، اس وقت متولی صاحب کو کچھ محسوس بھی ہوا لیکن بعد میں انہوں نے الگ لے جا کر انہیں سمجھایا کہ یہ ایک بہت بڑی لعنت ہے۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج ہم لوگوں کا حال یہاں تک بگڑ گیا ہے کہ ایک طرف دین داری نظر آتی ہے لیکن دوسری طرف ہماری جو اخلاق کی اور معاملات کی زندگی ہے، اس زندگی کا اسلام سے کوئی جوڑ نظر نہیں آتا۔

میں آپ سے دوسری بات پیام انسانیت کے حوالے سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمیں اپنے برادران وطن کے سامنے ایک اچھا نمونہ رکھنا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اب پانی

سر سے اونچا ہو چکا ہے، اس وقت بڑی ضرورت ہے کہ ہم اجتماعی طور پر یہ کام کریں، ہاسپٹل وزٹ کریں، بلڈ ڈونیشن کیمپ کریں، میڈیکل کیمپ کریں اور یہ بتائیں کہ اسلام ہمیں کن چیزوں کی تلقین کرتا ہے، پھر ہم لوگوں کو جمع کریں اور ان کے سامنے یہ حقائق رکھیں کہ ہم حقیقت میں کیا ہیں اور اس وقت کیا غلط فہمیاں پھیلائی جا رہی ہیں۔ انشاءاللہ اگر ہم نے یہ دو کام کر لیے تو اس کا نتیجہ بھی نظر آئے گا۔

بھائیو اور دوستو!

اس تحریک کے جو عملی اور رفاہی کام ہیں، جو لوگوں پر اثر ڈالنے والے ہیں، میں اکثر کہتا ہوں کہ ان کاموں کی حیثیت دلیل کی ہے، اگر ہم نے دلیل دے دی تو ہمارے لیے دعویٰ کرنا بھی آسان ہو جائے گا، جب ہم کارنر میٹنگیں کریں گے، ڈائیلاگ کریں گے اور بڑے بڑے جلسے کریں گے تو وہاں ہمیں یہ کہنے کا حق ہوگا کہ الحمدللہ اسلام ہمیں جس اخلاقی زندگی کی تلقین کرتا ہے، اللہ کا فضل ہے کہ ہم اس کو اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور دوسروں کے کام آنے کی فکر بھی کرتے ہیں۔

حقیقت میں ﴿أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے) کا مطلب ہی یہ ہے کہ تم لوگوں کے لیے نمونہ پیش کرو، تم لوگوں کے کام آؤ اور اخلاقی زندگی اختیار کرو۔

پیامِ انسانیت کے بعض کاموں کے متعلق بہت سے لوگ یہ بات بھی کہتے ہیں کہ ہمارے دشمن جو آج ہمارا گلا کاٹ رہے ہیں اور ہماری **lynching** کر رہے ہیں، ان کے ساتھ ہم اچھا سلوک کیسے کریں اور ان کو ہم خون کیسے دیں؟ میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ یہ اللہ کے نبی ﷺ کی مبارک زندگی کا نمونہ ہے، جنہوں نے آپ ﷺ کو شہید کرنے کی کوششیں کیں، جنہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو شہید کیا اور بار بار مدینہ پر چڑھائی کی، آپ ﷺ دس ہزار کے لشکر کے ساتھ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ ﷺ نے یہ نہیں کہا کہ سب کے سر تن سے جدا کر دیئے جائیں،

یہ سب دشمن دین، دشمن رسولؐ اور دشمن صحابہؓ ہیں بلکہ آپ ﷺ نے خود ان ہی لوگوں سے پوچھا کہ بتاؤ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ تو وہ سب بول اٹھے کہ

"أخ كريم وابن أخ كريم."

(آپ شریف بھائی ہیں اور شریف برادرزادہ ہیں۔)

اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"لا تثريب عليكم اليوم اذهبوا فأنتم الطلقاء."

(السنن الكبرى للنسائی: ۱۱۲۹۸)

(آج تم پر کوئی دارو گیر نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔)

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے بعد ﴿يَدْخُلُونَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجاً﴾ (لوگ دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں) کا سماں بندھ گیا۔ آپ ﷺ نے یہ جو تاریخی مثال قائم کی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ تیزی کے ساتھ اسلام میں داخل ہوئے۔

سیرت کا یہ واقعہ بھی ہمارے لیے نشان راہ ہے کہ جب مکہ میں قحط پڑا، اس وقت اہل مکہ مسلمانوں کے دشمن تھے، وہ ابوسفیان کی قیادت میں مدینہ پر چڑھائیاں کرتے تھے، لیکن آپ ﷺ نے قحط کے زمانہ میں باقاعدہ چندہ کیا اور مکہ کے لیے تقریباً پانچ سو دینار کی ریلیف ابوسفیان کے نام بھیجی، حالانکہ اگر آپ چاہتے تو حضرت عباس کے نام بھی بھیج سکتے تھے۔ سچی بات یہ ہے کہ اسی طرح رحمت دو عالم ﷺ نے دشمنوں کے دل جیتے، گویا ہمارے سامنے یہ نمونہ ہے کہ

گالیاں جس نے دیں اس کو تحفے دیئے
زخم جس کے لگے زخم اس کے سیئے
عافیت کی دعا مانگی سب کے لیے
کی جفا جس نے بدلے وفا سے دیئے

جس نے سب کو پلایا محبت کا جام
اس پہ لاکھوں درود اس پہ لاکھوں سلام

یہ نمونہ سرکار دو عالم ﷺ کا ہے اور یہی اس وقت کی ضرورت ہے۔ آج کے ان حالات میں ہم انشاء اللہ اپنے اخلاقی نظام کے ساتھ میدان عمل میں آئیں گے۔

میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ یہ کام دلوں کو جیتنے والا ہے، یہ کام ایسا ہے کہ اکثریت آپ کے ساتھ آئے گی، بس ایک معمولی تعداد ایسی ہے جو سوتی بنی ہے اور دشمنی پر کمر بستہ ہے، ہمیں اس سے کوئی بڑی توقع نہیں ہے، لیکن وہ تعداد اتنی محدود ہے کہ اگر اکثریت آپ کے ساتھ آ گئی تو انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ حالات کس طرح بدلتے ہیں، لیکن اگر ہم سوتے رہے اور خدانخواستہ ہم مایوسی کا شکار ہو گئے کہ اب کیا ہوسکتا ہے؟ تو راستے تنگ ہوتے چلے جائیں گے، تو میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ میدان سامنے کھلا ہوا ہے، قدم آگے بڑھانے اور میدان عمل میں آنے کی ضرورت ہے، آپ اپنے اخلاقی نظام کے ساتھ میدان میں آیئے، سچی بات یہ ہے کہ زمانہ آپ کا منتظر ہے، آپ دیکھیں گے کہ انشاء اللہ کس طرح حالات بدلتے ہیں اور کس طرح لوگ آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔

یہ اس وقت کی ضرورت ہے اور آج کے اس سفر کا مقصد یہی ہے کہ ہمارے اندر ایک جذبہ پیدا ہو اور ہم یہاں سے یہ طے کر کے اٹھیں کہ انشاء اللہ اس کے لیے ہم باقاعدہ ایک نظام بنائیں گے، علاقوں کو تقسیم کریں گے، ہر علاقہ کے لوگ ہفتہ واری مشورہ کریں گے اور مشورہ میں بیٹھ کر طے کریں گے کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟ کم از کم ہاسپٹل وزٹ ہر ہفتہ کرنی ہے، میڈیکل کیمپ پندرہ دن میں ایک مرتبہ لگانا ہے، اگر ہو سکے تو سال میں دو تین دفعہ بلڈ ڈونیشن کیمپ بھی لگا لیے جائیں، اسی طرح اسٹیشنوں پر پانی پلانا اور کبھی کھانا کھلانا، پھر اگر اللہ نے مزید توفیق دی تو جیلوں میں جانا۔ اس کے علاوہ

ایک آسان کام یہ بھی ہے کہ آپ اسکولوں میں جائیے اور وہاں کے غریب بچوں کی کچھ خدمت کردیجیے۔ یہ ساری چیزیں وہ ہیں کہ جب آپ کریں گے تو وہاں آپ اپنا ایک نقش اور اثر چھوڑ کر آئیں گے جس کے نتائج انشاءاللہ آپ کے سامنے آئیں گے۔

اسی طرح ہمیں کارنر میٹنگیں کرنی ہیں، لٹریچر تقسیم کرنا ہے، اس موضوع پر حضرت مولانا علی میاںؒ کی تقریریں بڑی مفید اور مؤثر ہیں، میرے سامنے کا واقعہ ہے کہ وی پی سنگھ جو اس ملک کے وزیر اعظم بھی رہ چکے ہیں، ان کا حضرت مولانا سے بڑا تعلق تھا، وہ ایک دفعہ کہنے لگے کہ جب میں کوئی اسپیچ دینے جاتا ہوں تو پہلے آپ کی اسپیچ پڑھ لیتا ہوں، اس کے بعد جب میں اسپیچ دیتا ہوں تو میرے اندر ایک درد اور ایک طرح کا اعتماد پیدا ہو جاتا ہے اور میں پوری طاقت کے ساتھ اپنی بات کہتا ہوں، پھر انھوں نے مولانا کی ایک تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ آپ نے ایک جگہ بڑے پتہ کی بات لکھی ہے کہ جب آگ کو کھانے کے لیے کچھ نہیں ملتا تو آگ اپنے آپ کو کھاتی ہے، اسی طرح جب ظلم آگے بڑھتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ظالم بھی بچ نہیں پاتا اور اس کا نتیجہ کچھ اور ہوتا ہے۔

حاصل یہ کہ اس وقت پیام انسانیت کا لٹریچر تقسیم کرنے کی ضرورت ہے، آپ اس کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیے۔ اسی طرح کبھی ڈائیلاگ کیجیے اور اپنے شہر کے منتخب ترین چالیس پچاس لوگ ایسے جمع کیجیے جس میں ہر طبقہ کی نمائندگی ہو، ان کے سامنے پیام انسانیت کا مختصر تعارف کیجیے، اسی کے ساتھ ان سے بھی تاثرات لیجیے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو اثر انداز ہوتی ہیں اور اس کے نتیجہ میں حالات بدلتے ہیں۔ الحمدللہ مجھے اس کا تجربہ ہے، ملک کے مختلف علاقوں میں جہاں یہ کام باقاعدہ ہو رہا ہے، وہاں اللہ کے فضل سے حالات میں تبدیلی نظر آتی ہے اور لوگوں کے ذہن بھی بدلتے ہیں لیکن اس کام کو بڑے پیمانے پر پورے ملک میں کرنے کی ضرورت ہے۔

آج آپ کے اس شہر میں حاضری کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ ہمارے اندر بھی یہ جذبہ پیدا ہو جائے اور ہم بھی میدان عمل میں آئیں، حالات کو بدلنے میں ہم جو بھی کردار ادا کر سکتے ہیں، اس کو ادا کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے اور ہم اس کے لیے آگے بڑھیں۔ ہم آپ حضرات کے بہت مشکور ہیں کہ آپ یہاں تشریف لائے اور آپ نے پوری فکر وشوق کے ساتھ یہ باتیں سنیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں عمل کرنے کی توفیق دی۔

اخیر میں یہ وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ یہ اجلاس کوئی عام جلسوں کی طرح نہیں ہے کہ ہم نے تقریر سن لی اور فارغ ہو گئے، مناسب یہ ہے کہ یہاں جو لوگ حاضر ہوئے ہیں وہ ابھی پروگرام سے فارغ ہو کر یہاں سے یہ مشورہ کر کے جائیں کہ اپنے اپنے علاقوں میں ہفتہ واری مشورہ کا نظام کیا ہوگا؟ اسی طرح تمام شرکاء اپنے متعلقین کے فون نمبر بھی ایک دوسرے سے حاصل کر لیں تا کہ کام میں آسانی ہو جائے، ایک دو ذمہ دار ایسے بھی بن جائیں جو لوگوں کو جوڑنے کا کام کر سکیں اور اپنے اپنے علاقوں میں ہفتہ واری نظام شروع کر سکیں، انشاء اللہ اس طرح کام میں آسانی ہوگی اور اللہ تعالیٰ آگے کے لیے راستے کھولے گا۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے آنے کو قبول فرمائے، ہماری اس حاضری کو قبول فرمائے اور اس پروگرام کو خیر کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

۲۸؍اکتوبر ۲۰۱۸ء
تکیہ کلاں، رائے بریلی

ایمان واخلاق کے امتزاج کی ضرورت

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینه ونستغفره ونؤمن به ونتوکل علیه ونعوذ بـاللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سیئات أعمالنا من یهده اللّٰہ فلا مضلل له ومن یـضلله فلا هادي له ونشهد أن لا إله إلا اللّٰہ وحده لا شریك له ونشهد أن سیـدنـا ونبیـنـا ومـولانـا مـحـمداً عبده ورسوله صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیه وعلیٰ أصحابه وأزواجه وذریاته وأهل بیته وبارك وسلّم تسلیماً کثیراً کثیراً أما بعد! فـأعـوذ بـالـلّٰـه مـن الشیـطان الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم: ﴿وَالَّذِیۡنَ جَاهَدُوا فِیۡنَا لَنَهۡدِیَنَّهُمۡ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ﴾ صدق اللّٰہ العظیم.

محترم بھائیو، بزرگو اور دوستو!

آپ کو یاد ہوگا کہ آج سے چند سال پہلے اسی جگہ بیٹھ کر یہ بات کہی گئی تھی کہ آنے والے حالات میں ہمیں کچھ ایسے کام کرنے چاہئیں جن سے کم از کم لوگوں کے ذہنوں میں ایک تبدیلی پیدا ہو، فرقہ پرستی اور نفرت وتعصب کا جو بیج لوگوں کے ذہنوں میں بویا جارہا ہے اس سے انہیں باہر نکالنے کی کوشش کی جائے، آج الحمد للہ اس کے نتائج ہمارے سامنے ہیں، تاہم کسی نہ کسی درجہ میں یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ ہم اپنی کوششوں میں شاید بہت آگے نہیں جاسکے اور کہیں نہ کہیں ہم سے کوتاہی ہوئی ہے،

واقعہ یہ ہے کہ زندہ قومیں خود اپنا جائزہ لیتی ہیں اور سب سے پہلے اپنے بارے میں سوچتی ہیں کہ ہم سے کوتاہی کہاں ہورہی ہے اور پانی کہاں سے مرر ہا ہے؟

آج جن حالات کی فکرمندی میں ہم یہاں بیٹھے ہیں، اتنا تو سب سمجھ رہے ہیں کہ اس وقت حالات بہت زیادہ اچھے نہیں ہیں، لیکن حالات کا رونا کب تک رویا جائے گا؟ اصل غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ ان حالات کا ہم پر کیا اثر پڑ رہا ہے؟ آپ مسلمان بستیوں میں جا کر دیکھئے کہ وہاں اس کا کیا اثر ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ سب کچھ بدلنے کے بعد بھی ہماری بستیوں میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی، مسلمانوں کی وہ سماجی خرابیاں جو پہلے سے چلی آرہی ہیں، ہمیں آج بھی ان میں کوئی تبدیلی محسوس نہیں ہوتی، مجھے ہندوستان کے مختلف صوبوں میں جانے کا اتفاق ہوتا ہے اور بعض جگہ تو بار بار جانا ہوتا ہے لیکن مجھے مسلم بستیوں میں شعور کی بیداری نظر نہیں آتی اور یہ بات سب سے بڑھ کر خطرناک ہے۔

میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ آج خطرہ کسی حکومت کا نہیں، خطرہ کسی قوم کا نہیں، خطرہ کسی مذہب کا نہیں بلکہ اصل خطرہ یہ ہے کہ ہمارے اندر بیداری نہیں اور ہمارے اندر احساس نہیں، ہم یہ سوچتے ہیں کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب ٹھیک ہے، ظاہر ہے یہ سب سے زیادہ خطرناک بات ہے۔

مزید افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے سماج میں ایک بڑا طبقہ ان لوگوں کا بھی ہے جو اپنے اندر ایک تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کے بجائے مایوسی کا شکار ہو رہا ہے کہ اب کیا ہوگا؟ یہ انتہائی درجہ افسوس اور ایمان کی کمزوری کی بات ہے۔ قرآن میں ہے:

﴿وَمَن يَقْنَطُ مِن رَّحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّآلُّونَ﴾ (الحجر: ٥٦)

(اپنے رب کی رحمت سے تو گمراہ ہی مایوس ہوتے ہیں۔)

اللہ کے ماننے والے مایوس کیوں ہوں؟ ان کا جو اصل سہارا ہے اس کی طاقت کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ ساری دنیا کی طاقتیں اسی کی ہیں، اگر اس سہارے سے ہمارا

تعلق مضبوط ہوتا تو شاید آج یہ تصور نہ ہوتا، مگر افسوس کہ ہم آج اس مضبوط سہارے کو چھوڑ کر معمولی سہاروں کی تلاش میں پڑ جاتے ہیں جن کی حیثیت تنکوں سے بڑھ کر نہیں، اگر ایک سیلاب آ جائے تو وہ سب خس وخاشاک کی طرح بہہ جائیں۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ ایک بات فرماتے تھے کہ عجیب بات ہے آج لوگ ہمیں چھیڑتے ہیں اور ہم چھڑتے ہیں، مولانا اس کی مثال بھی دیتے تھے کہ جس طرح بچے مزے لینے کے لیے دوسروں کو چھیڑتے ہیں اور لوگ چڑھتے ہیں، آج مسلمانوں کی صورت حال بھی یہی ہے کہ لوگ انہیں چھیڑتے ہیں اور مسلمان چڑھتے ہیں۔

مولانا نے یہ بڑی حکیمانہ بات فرمائی کہ اگر مسلمان چڑھنا چھوڑ دیں تو لوگ چڑھانا چھوڑ دیں گے، اس میں ایک لطیف اشارہ بھی ہے، آپ غور کریں کہ بچوں کے اندر کوئی طاقت نہیں ہوتی، اگر آپ ان کے ایک تھپڑ ماردیں تو وہ خاموش ہو کر چلے جائیں گے، اسی طرح سمجھنا چاہیے کہ آج ہم جس طرح پریشان ہیں اس میں پہلی بات تو یہی ہے کہ ہم کسی کی بات پر نہ چڑھیں، دوسری بات یہ کہ ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ یہ چھیڑنے والے کون ہیں؟ چھیڑنے والے حقیقت میں وہ لوگ ہیں جو بے چارے نادان ہیں اور وہ کچھ جانتے نہیں ہیں، جس طرح نادان بچوں کو چھیڑنے میں مزہ آتا ہے، اس لیے کہ ان کی عقل پختہ نہیں ہوتی، وہی حال ایسے لوگوں کا بھی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں ایمان واخلاق کی جو طاقت عطا فرمائی ہے، اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی طاقت نہیں، لیکن افسوس یہ ہے کہ آج مسلمانوں نے اس کو فراموش کردیا، اگر ہم مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لیں تو لگتا ہے کہ شاید انہوں نے اسلام کی تاریخ کو فراموش کردیا، مسلمانوں کا سب سے بڑا ہتھیار ''ایمان'' اور ''اخلاق'' کا تھا، آج مسلمانوں نے اسی کو فراموش کردیا۔ آپ تاریخ اٹھا کر دیکھئے کہ جب اس طاقت کے ساتھ مسلمان دنیا میں آئے تو کون سی طاقت ان کے سامنے ٹک سکی؟!

آج بڑی بڑی کانفرنسیں اور سیمینار ہوتے ہیں اور ان میں غور کیا جاتا ہے کہ ہماری پس ماندگی کا سبب کیا ہے؟ کوئی کہتا ہے کہ ہم تعلیم میں پیچھے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ ہم معیشت میں پیچھے ہیں، غرض کہ اس کے مختلف اسباب بیان کیے جاتے ہیں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ اگر آپ تاریخ کی روشنی میں غور کریں تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے روم وایران کا فاتح بنایا اور یہ وہ قومیں تھیں جو اس وقت کی سب سے زیادہ متمدن اور طاقتور تھیں، آپ سوچیں کہ اس وقت صحابہ کے پاس کیا تھا؟ ان کے پاس کون سی ٹیکنالوجی اور کون سی سائنس تھی بلکہ میں اور آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ ان کے پاس کون سا علم تھا؟ تاریخ میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر اس زمانہ میں مکہ کے اندر قلم تلاش کیے جاتے تو شاید پانچ سات قلم سے زیادہ نہ ملتے، وہ قوم بالکل اَن پڑھ تھی اور اس کا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ہے:

﴿هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْأُمِّيِّيْنَ رَسُولاً مِّنْهُمْ﴾ (الجمعة: ۲)

(وہی ذات ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا)

آج ہم جو تدابیر پیش کرتے ہیں اور اس کو اصل حل سمجھتے ہیں، میں آپ کے سامنے یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ہماری ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے، یقیناً یہ ساری چیزیں وہ ہیں جو ہماری ترقی کے لیے ضروری ہیں، لیکن اس کے لیے جن بنیادوں کی ضرورت ہے' ہمیں ان کی طرف سب سے بڑھ کر توجہ کرنی ہوگی۔ آپ کتنی ہی بلند وبالا عمارت کھڑی کردیں، اگر اس کی بنیادیں مضبوط نہ ہوں تو کوئی بھی آندھی یا طوفان اس کو لمحہ بھر میں زمین بوس کردے گا، اسی لیے بنیادوں کو مضبوط کرنے کی بھرپور کوشش کی جاتی ہے۔ اصل مسئلہ بنیادوں کا ہے، افسوس ہے کہ ہم ساری تدابیر پر غور کرتے ہیں لیکن ہم یہ غور نہیں کرتے کہ ہماری اصل اور مضبوط بنیاد قائم ہے یا نہیں؟

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے اپنی بنیادوں کو مضبوط کیا

اور وہ بنیادیں ہیں: ایمان اور اخلاق، پھر ایمان و اخلاق کی ان بنیادوں پر ایسے شاندار اور فلک بوس محل تعمیر کیے گئے، آپ کو حیرت ہو گی کہ ان کی بنا پر مسلمانوں نے کیسی غیر معمولی ترقی کی اور وہ کہاں تک پہنچے۔ آج مسلمانوں کا مرض یہ ہے کہ انہیں آگے کی ترقی یاد ہے لیکن انہوں نے اپنی بنیاد کو فراموش کر دیا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر ہم ترقی کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے پاس وہ بنیادیں نہیں ہوتی ہیں اور اسی لیے ہم زیادہ آگے نہیں بڑھ پاتے بلکہ ہم دوبارہ تیزی کے ساتھ زوال کی طرف چلے جاتے ہیں، اس سلسلہ میں بہت غور کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب فتوحات کا سلسلہ شروع کیا تو وہ بڑھتے چلے گئے، ایک مرتبہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی امارت میں ایک لشکر ایران جا رہا تھا اور سامنے دریائے دجلہ تھا جہاں سے کشتیاں ہٹا دی گئی تھیں تا کہ مسلمان دریا پار نہ کر سکیں، یہ حضرات پریشان ہوئے کہ اب آگے کا راستہ کیسے طے کریں؟ اس موقع پر حضرت سعدؓ نے لشکر میں موجود جلیل القدر صحابی حضرت سلمان فارسیؓ سے مشورہ کیا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ انہوں نے عجیب و غریب بات فرمائی، وہ کہنے لگے کہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا لشکر ہے اور یہ دین ابھی تازہ ہے، ابھی اس دین کو بہت پھیلنا ہے، اس لیے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس دین کی طاقت کے آگے ہم اس دریا سے پیچھے ہٹ جائیں، آپ بس اس بات پر توجہ دیجیے کہ لشکر کا حال کیا ہے؟ ایسا تو نہیں ہے کہ لشکر میں معصیت ہو رہی ہو، پھر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے پورے لشکر پر ایک ایسی نگاہ ڈالی جس سے وہ حقیقت سمجھ گئے اور فرمایا کہ الحمد للہ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ لشکر میں معصیت نہیں ہے، یہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں، اللہ کے دین پر قائم ہیں اور اللہ کے لیے نکلے ہیں، گویا اپنی جانوں کو ہتھیلیوں پر لے کر نکلے ہیں، ان کی نیتیں اور اعمال دونوں درست ہیں۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ پھر انہوں نے اللہ پر

آخری درجہ کا توکل کرتے ہوئے دریا میں گھوڑے ڈال دیئے اور وہ اس طرح دریا پار کر گئے جیسے کوئی خشکی کا راستہ طے کرتا ہے۔

تاریخ میں یہاں تک لکھا ہے کہ ایک صحابہ کا کوئی پیالہ دریا میں گر گیا، تو انہوں نے کہا کہ دریا کی یہ مجال نہیں کہ وہ میرا پیالہ لے جائے، اسی درمیان پانی کی ایک لہر آئی اور پیالہ بھی اس کے ساتھ سامنے آگیا۔ یہ منظر جب ایرانیوں نے دیکھا کہ مسلمان دریا میں گھوڑے ڈال کر اطمینان سے باتیں کرتے ہوئے چلے آرہے ہیں تو وہ دور ہی سے دیکھ کر کہنے لگے کہ ان سے مقابلہ ممکن نہیں، ''دیو آمدند، دیو آمدند'' اس طرح پورا کا پورا شہر بغیر کسی کشمکش اور مزاحمت کے فتح ہو گیا۔ ظاہر ہے یہ صحابہ کے ایمان کی طاقت تھی۔

حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ جب وہ افریقہ کی طرف کوچ کر رہے تھے تو ایک جنگل میں انہوں نے پڑاؤ ڈالا اور طے کیا کہ یہیں سے آگے (مغربی افریقہ) کی طرف بڑھیں گے، لوگوں نے انہیں وہاں قیام سے روکا کہ یہ علاقہ محفوظ نہیں ہے، یہاں شیر چیتے اور زہریلے کیڑے مکوڑے ہیں، انہوں نے ایک لمحہ توقف کر کے فرمایا کہ یہ تو بہت عجیب بات معلوم ہوتی ہے، ہم لوگ اللہ کے دین کو لے کر نکلے ہیں، ہماری حفاظت اللہ کے ذمہ ہے، ہم یہیں اپنا پڑاؤ ڈالیں گے، پھر انہوں نے ایک صحابی سے کہا کہ تم جنگل میں جا کر پوری ایمانی طاقت کے ساتھ یہ اعلان کر دو کہ ہم نبی ﷺ کے صحابہ ہیں اور ہمیں یہاں ٹھہرنا ہے، اس لیے جنگل کے تمام جانور جنگل خالی کر دیں، جب ان صحابی نے جنگل میں جا کر یہ اعلان کیا تو تاریخ میں لکھا ہے کہ لوگوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ شیرنی اپنے بچے کو لیے جنگل سے باہر چلی جا رہی تھی، یہاں تک کہ کیڑے مکوڑوں نے بھی جنگل خالی کر دیا اور پورا جنگل صاف ہو گیا۔

ظاہر ہے یہ ایمان کی وہ طاقت تھی جس کے ذریعہ سے انہوں نے ایسی مضبوط بنیادیں فراہم کیں کہ اسی پر بعد میں خلافت بنو امیہ اور دور عباسی میں شاندار عمارتیں تعمیر

ہوئیں، سچی بات یہ ہے کہ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان واخلاق کی یہ بنیادیں نہ ہوتیں تو میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ آپ کو عہد اسلامی کی وہ فلک بوس عمارتیں جو نظر آتی ہیں، جن سے یورپ بھی مرعوب ہے اور کہتا ہے کہ اگر مسلمانوں کی یہ ترقیاں نہ ہوتیں تو ہم تین سو سال پیچھے ہوتے، حقیقت میں یہ ساری ترقیاں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی ان بنیادوں کی رہین منت ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتیں تو یہ کچھ نہ ہوتا، آج افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم نے اپنی ان بنیادوں کو فراموش کردیا، جب کہ اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہی ہے۔

میرے بھائیو!

ان حالات میں جب کہ ایمان واخلاق عنقا ہے، آج ہم مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ ہمارے اندر ایمان نہیں، آج کا مسلمان معمولی باتوں پر اپنے ایمان کا سودا کرنے کو تیار ہے، اس طرح کے پچاسوں واقعات آئے دن ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں، ایک صاحب کی بچی کسی غیر مسلم کے ساتھ چلی گئی، وہ ہاسٹل میں رہتی تھی، جب ان سے کہا گیا کہ آپ اس کو وہاں سے نکال کر دین کی کچھ تعلیم دیجیے تاکہ کم از کم اس کا ایمان مضبوط ہوجائے، وہ کہنے لگے کہ اگر ہم وہاں سے نکال لیں گے تو یہ ضروری تعلیم کیسے حاصل ہوگی، رہی بات ایمان کی تو وہ اس قدر ضروری معلوم نہیں ہوتا۔

آپ غور کریں کہ جب ایمان کے متعلق ہماری فکر اس قدر سطحی ہو اور ایمان کے متعلق ہمارے ذہن اتنے ہلکے ہوجائیں تو اس کے نتیجہ میں آج جو کچھ ہو رہا ہے' وہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

ہماری اصل محنت حقیقت میں ایمان اور اخلاق کو بچانے کی محنت ہے، ایمان واخلاق کو بنانے اور اس کو دوسروں تک پہنچانے کی محنت ہے، لیکن یہ محنت کامیابی سے تب ہی ہم کنار ہوگی جب یہ چیزیں ہمارے اندر پیدا ہوں، جب ہم اپنے بارے میں سوچیں اور غور کریں کہ ہمارے ایمان کا حال کیا ہے؟ ہمارے اخلاق کا حال کیا ہے اور

ہمارے اندر انسانیت کی سطح کیا ہے؟ یہی پیام انسانیت کا اصل پیغام ہے۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے لکھنؤ بارہ دری کے اجلاس میں یہ بات بڑی طاقت کے ساتھ فرمائی کہ اس تحریک کی نسبت بار بار میری طرف کی جارہی ہے، میری کوئی حقیقت نہیں ہے، میں آج ہوں اور کل چلا جاؤں گا، اس تحریک کی نسبت پیغمبروں کی طرف کی جائے۔ انہوں نے یہاں تک فرمایا کہ خود مجھے پیام انسانیت کی ضرورت ہے، اگر مجھے کسی بات پر ایسا غصہ آجائے کہ میں اس پر قابو نہ رکھ سکوں تو مجھے ضرورت ہے کہ پیام انسانیت دیا جائے۔

آپ حضرات الحمد للہ ملک کے مختلف صوبوں سے یہاں تشریف لائے ہیں، میں آپ سے صاف کہتا ہوں آپ یہاں سے طے کر کے جایئے کہ ہمیں سب سے پہلے اپنے ایمان کو مضبوط کرنا ہے اور اپنے اخلاق کو بہتر بنانا ہے، اسی طرح ہمیں اپنے سماج کو بھی اچھا بنانے کی ضرورت ہے، آپ اپنے جمعہ کے خطبوں اور تقریروں میں، اصلاحی بیانات اور جلسوں میں اس کو اپنا موضوع بنائیں اور بتائیں کہ ہم مسلمانوں نے خود کو کہاں تک گرا لیا ہے، ہم یہ بتائیں کہ اس وقت ہماری جو صورت حال ہے وہ خود ہمارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہے، قرآن مجید صاف کہتا ہے:

﴿وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ﴾

(الشوریٰ: ۳۰)

(اور تم جس مصیبت سے بھی دو چار ہوتے ہو وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے اور کتنی چیزیں وہ درگزر کر جاتا ہے۔)

حدیثوں میں بھی یہ ساری تفصیلات موجود ہیں کہ ہمارے اوپر ظالم حکمراں حقیقت میں ہماری بداعمالیوں کے نتیجہ میں مسلط ہوتے ہیں، اس لیے ہم ہزار بار شکوہ کریں، ہم ہزار بار اپنا رونا روئیں لیکن ہمیں سوچنا ہوگا کہ ہمارے اختیار میں کیا ہے اور ہم کیا کر سکتے ہیں؟!

آج ہماری ایک بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ ہمارے دائرۂ اختیار میں جو ہوتا ہے' ہم وہ کام کرنا نہیں چاہتے، لیکن ہم دوسروں کے دائرۂ اختیار میں گھستے ہیں اور مطالبہ کرتے ہیں کہ انہیں یہ کرنا چاہیے، بڑی طاقتوں کو یہ کرنا چاہیے، حکومتوں کو یہ کرنا چاہیے، ممبران پارلیمنٹ کو یہ کرنا چاہیے، جس کو جو کرنا ہے وہ اپنی جگہ لیکن جو چیز آپ کے اختیار میں ہے' اس میں سے آپ نے کتنا کیا؟ یاد رکھیں! بڑے سے بڑا حوض اور دریا بھی قطرہ قطرہ کر کے بنتا ہے، آپ اگر یہ سوچیں کہ اتنے لمبے چوڑے ملک میں تنہا میرے کچھ کرنے سے کیا ہوگا تو بالکل غلط ہے، اگر سب لوگ یہی سوچ لیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ حالات جوں کے توں رہیں گے، لیکن اگر اس کے برعکس ہر شخص نے یہ طے کر لیا کہ ہمیں صحیح ہونا ہے، ہمیں اپنے علاقہ میں محنت کرنا ہے اور ہمیں وہاں کے حالات کو بہتر بنانے کی کوشش کرنا ہے، تو یقیناً آگے کے حالات بہتر ہو سکتے ہیں۔

ایک بادشاہ کا قصہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ اس نے اپنے دربار میں یہ خواہش ظاہر کی کہ اس کا حوض دودھ سے بھر جائے، لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے کہ ہماری مملکت کا ہر آدمی ایک بالٹی دودھ لائے اور حوض میں ڈال دے، اس نے یہ بات بھی کہی کہ ہر آدمی یہ کام رات کے وقت میں کرے تا کہ کوئی کسی کو دیکھ نہ پائے، جب صبح کو دیکھا تو پتہ چلا کہ حوض میں دودھ برائے نام تھا' سب پانی ہی پانی تھا، جب اس کا سبب تلاش کیا گیا تو پتہ چلا کہ ہر ایک نے یہ سوچا کہ سب تو دودھ ڈالیں گے، اگر ہم پانی ڈال دیں گے تو کیا پتہ چلے گا؟!

آج یہی صورت حال ہمارے سماج کی بھی ہے، ہم میں سے اکثر یہ سوچ کر رہ جاتے ہیں کہ اتنے بڑے ملک میں ایک ہمارے کرنے سے کیا نتیجہ نکلنے والا ہے؟ آپ یاد رکھیں! کام اسی طرح شروع ہوتا ہے، اللہ کے نبی ﷺ نے سب سے پہلے جب دعوتِ حق کا نعرہ فاران کی چوٹیوں سے لگایا تو اس وقت آپ کو ماننے والے کتنے

لوگ تھے؟ جب آپ ﷺ نے دعوت دی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علیؓ، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ پر ایمان لائیں، اس وقت صرف تین یا پانچ یا سات لوگ تھے، لیکن اس کے بعد اللہ نے توفیق دی اور تئیس سال کی مدت میں ایسی تبدیلی پیدا ہوئی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب کو گویا آپ کے قدموں میں لاکر ڈال دیا اور جزیرۃ العرب سے ایک نیا نظام جاری ہوا۔

میرے بھائیو اور دوستو!

ہم کبھی مایوسی کا شکار نہ ہوں اور کبھی یہ نہ سوچیں کہ ہم محنت کر رہے ہیں تو اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ اگر مضبوط نیتوں کے ساتھ، مضبوط ارادوں کے ساتھ اور اللہ کی رضا کے لیے صحیح طریقہ اختیار کرتے ہوئے چند لوگ بھی کھڑے ہوجاتے ہیں تو بعض مرتبہ ملکوں کی تاریخ میں انقلاب برپا ہوجاتا ہے۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ بعض مرتبہ دل کی گہرائیوں اور ایمان کے تقاضوں سے جو ایک جملہ نکلتا ہے، وہ کبھی کبھی ملکوں اور قوموں کی تقدیر بدل دیتا ہے۔

آپ یہاں سے ایک عزم وحوصلہ لے کر جائیے اور یہ طے کرکے جائیے کہ انشاء اللہ ہمیں پورے ملک کے اندر ایک تبدیلی پیدا کرنی ہے، بلکہ اگر اللہ نے چاہا تو ہم انشاء اللہ پورے عالم میں ایک نیا نظام جاری کریں گے، لیکن یہ صرف کہنے سے نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے بڑی محنت کی ضرورت ہے، بڑے ارادوں کی ضرورت ہے اور یہ سمجھ کر آگے بڑھنے کی ضرورت ہے کہ اللہ کی مدد ہر ایمان والے کے ساتھ ہے، ہم اپنے اپنے طور پر اپنے علاقوں میں جو بھی کرسکتے ہیں، اگر ہم نے وہ کوششیں شروع کیں تو یقیناً اس کا نفع ہوگا۔

اس وقت اسلام، پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں ایک غلاظت بھر دی گئی ہے، آپ واقف ہیں کہ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ

مختلف شکلوں میں اللہ کے نبی ﷺ کے بارے میں اور اسلام کے بارے میں بعض مرتبہ ایسی غلیظ باتیں آتی ہیں کہ آدمی کا خون کھول جائے، وہ بے قابو ہوجائے اور اس کو برداشت کرنا مشکل ہوجائے۔ظاہر ہے یہ سب ان کے دماغ کی وہ غلاظت ہے جو ان کے دماغوں میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں بھری ہوئی ہے، بلکہ میں تو آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ رسول پاک ﷺ کے بارے میں ان کے دماغوں میں جو باتیں ڈالی گئیں، یہی وہ باتیں ہیں جو باہر نکل کر آتی ہیں۔

اس سلسلہ میں ہماری غلطی یہ ہے کہ ہم نے اپنی زندگی کا کوئی نمونہ ان کے سامنے نہیں رکھا، ہم نے انہیں روشنی کی کوئی کرن نہیں دکھائی جس سے ان کو راستہ ملتا، اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہی ہے کہ ہمارا اسلام بولے، ہماری زندگی میں ایسی تبدیلی پیدا ہو اور ہم مسلمانوں کے اندر ایسی تبدیلی پیدا کریں کہ ان کی زندگی بولتی ہو، وہ جہاں رہیں وہاں لوگ محسوس کرتے ہوں کہ ہاں! یہ اسلام ہے اور یہ اسلام کی ترجمانی ہے، حقیقت میں اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ہم اپنی عملی زندگی سے وہ غلط فہمیاں دور کریں۔

اس میں شبہ نہیں کہ ان کی غلط فہمیاں زیادہ ہیں، اس لیے یہ ضروری نہیں کہ اگر ہماری زندگی پوری طرح تبدیل ہوجائے تو صرف اسی سے ان کے ذہن درست ہوجائیں، اسی لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم ان سے ملاقاتیں کریں، ہم ان کے ذہنوں تک پہنچنے کی کوشش کریں، ہم ان کے دماغوں کو اپیل کریں، ہم ان تک ایسا لٹریچر پہنچانے کی کوشش کریں اور ان کے سامنے ایسی باتیں رکھیں کہ ان کے ذریعہ سے غلط فہمیاں دور ہوں۔ یہ اس وقت کا سب سے بڑا کام ہے۔

آج ملک کے جو حالات ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت پوری پلاننگ کی جاچکی ہے، اگرچہ اس بات کو بار بار دہرانا بھی بہت زیادہ مناسب نہیں لیکن یہ حقیقت

ہے جو حضرت مولانا علی میاںؒ بھی دہراتے تھے کہ اگر ہم لوگوں نے آگے بڑھ کر اقدام نہ کیا اور اپنے تحفظ کی کوشش نہ کی، اسلام کی صحیح ترجمانی نہ کی اور غیروں کے سامنے صحیح نمونہ پیش نہ کیا اور سب سے بڑھ کر حضرات علماء نے اپنے فرض منصبی کو ادا نہ کیا تو وہ دن دور نہیں اور اللہ وہ دن نہ لائے کہ اس وقت اس ملک کو اسپین بنانے کا پورا نقشہ تیار ہے۔

میں یہ بات اب اس لیے نہیں دہرانا چاہتا کہ کہیں خدانخواستہ ہمارے اندر اس کے ذریعہ سے ایک مایوسی پیدا نہ ہو جائے اور ہم یہ نہ سوچنے لگیں کہ اب تو پانی سر سے اونچا ہو چکا اور اب کام کرنے کا کیا فائدہ؟! میں آپ سے کہتا ہوں کہ پانی یقیناً اس حد تک بڑھ چکا کہ اب ہمیں سنبھلنا مشکل ہو رہا ہے اور دھارا بہت تیز ہے لیکن ابھی بھی یہ موقع ہے کہ اگر ہم نے تھوڑی سی محنت کر لی اور اس کام کو سمجھ لیا تو یہ ایک ایسا ذریعہ ہے کہ انشاء اللہ اس سے پورے ملک میں حالات بدلتے نظر آئیں گے۔

میں ایک بات بہت واضح طریقہ پر کہتا چلا آیا ہوں کہ پیام انسانیت کا کام پورے ملک میں ہوتا ہے، حضرت مولانا علی میاںؒ نے یہ کام آج سے بہت پہلے ۱۹۷۴ء میں باقاعدہ شروع کیا تھا، ان کا اصل مقصد یہی تھا کہ لوگوں کی غلط فہمیاں دور ہو جائیں، ان کے دماغوں کو صاف کیا جائے۔ میں بار بار یہ بات کہتا ہوں کہ یہ کام براہِ راست دعوت کا نہیں ہے بلکہ یہ ذہن سازی کا کام ہے، یہ کام حقیقت میں اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنے کا ہے، ہم نے اپنے غلط کاموں سے اسلام کی پیشانی پر جو غلط دھبے لگائے ہیں، یہ کام ان دھبوں کو صاف کرنے کا ہے، اس لیے ہمیں ان چیزوں کی طرف خاص طور پر توجہ کرنا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری ان محنتوں کو قبول فرمائے، ہماری حاضری کو مفید بنائے اور توفیق سے نوازے۔ آمین!

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

۱۵/جنوری ۲۰۲۵ء
کلکتہ

دنیائے انسانیت خطرات اور اندیشوں کے سایہ میں

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا ونبینا ومولانا محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ أجمعین وعلیٰ من تبعھم بإحسان ودعا بدعوتھم إلیٰ یوم الدین أما بعد، فأعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم: ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ﴾ صدق اللّٰہ العظیم.

حضرات علماء کرام اور میرے دینی وایمانی بھائیو!

ہماری اور آپ کی یہاں حاضری کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے اندر ایک جذبہ بیدار کریں، اپنے کاموں کا جائزہ لیں، اپنی کمیوں پر غور کریں تا کہ ہر طرح سے اپنے آپ کو تیار کر کے ہم آگے بڑھ سکیں۔ حقیقت میں ہمارے ان اجتماعات کا یہی مقصد ہے، لیکن عام طور پر آدمی جب کوئی کام کرنے لگتا ہے تو اس میں ایک طرح کی رسمیت پیدا ہو جاتی ہے، اس لیے ہمیں دوبارہ اس پر سوچنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ ہمارے طریقہ کار میں کہیں کوئی کمی تو نہیں، پھر نئے حوصلوں کے ساتھ آگے بڑھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس وقت پوری دنیائے انسانیت اور خاص طور پر اس ملک کی صورت حال انتہائی قابل فکر ہے، آج انسان انسان کا دشمن ہے اور قومیں قوموں کی دشمن ہیں۔ اگر غور کیا

جائے تو اللہ کے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ نے اسی لیے بھیجا کہ آپ کے ذریعہ سے ساری دنیا میں ایک پیغام پہنچایا جائے، دنیا کی قوموں کو ایک لڑی میں پرویا جائے اور محبت وانسانیت کے ذریعہ سے ان کو ایک ایسا پیغام دیا جائے جس میں انہیں زندگی کا مقصد معلوم ہو، افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے پاس سب کچھ تھا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے ہمیں جو ایک حیات نو کا پیغام دیا تھا، ہم بجائے اس کے کہ اپنی عملی زندگی سے اس کا ایک نمونہ پیش کرتے، ہم نے اس کو کتابوں میں بند کرکے رکھ دیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ سب سے بڑی ذمہ داری ہمارے طبقہ علماء پر ہے جن کو اللہ نے شریعت کا علم دیا، قرآن مجید کا علم دیا، اللہ کے نبی ﷺ کی مبارک زندگی کا علم دیا، اگر اس کے بعد بھی ہمارے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو اور ہم اپنے اندر کوئی عزم وحوصلہ نہ پاسکیں تو یہ ہمارا ایک بہت بڑا نقص ہے۔

آپ اس اجتماع میں شریک ہوئے آپ مبارک باد کے مستحق ہیں لیکن یہ نہ سمجھیں کہ ہم نے اس کا جو حق تھا وہ ادا کردیا، سچی بات یہ ہے کہ اس کا حق نہ ہم ادا کرسکتے ہیں اور نہ آپ، اگر ہم نے یہاں آکر اپنا نام لکھوانے کی رسم پوری کرنا ضروری سمجھ لیا تو یاد رکھیں! اگر خدانخواستہ ہمارے اندر یہ رسمیت ہے تو ہم کوئی بڑا کام نہیں کرسکتے۔ میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ جو تعداد بھی یہاں پر ہے خاصی ہے اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ تعداد کی حیثیت کم ہوتی ہے، اصل حیثیت تو ہماری اس اندرونی کیفیت کی ہے جس کے ساتھ اگر فرد واحد کھڑا ہو جائے تو پوری دنیا میں انقلاب برپا کرنے کے لیے کافی ہے، آپ کی تعداد تو بہت زیادہ ہے۔ اگر آپ میں سے ایک ایک فرد یہ طے کرلے کہ آج کے ان حالات میں خدانخواستہ ہماری چال کچھوے کی طرح رہی تو ہم آگے کیا قدم بڑھائیں گے، اس لیے ہمیں کچھ کرنا ہے اور کچھ کرکے دکھانا ہے، ہمیں اللہ کی طرف سے جو جوہر عطا ہوا ہے، اگر خدانخواستہ ہم نے اس کے

ڈھکن کو بند کر کے رکھا اور اس کی خوشبو کو عام نہ کیا تو لوگ ہمارے دشمن ہو جائیں گے، اس لیے کہ ہم نے امانت میں خیانت کی، اللہ نے ہمیں ایمان کی جو امانت عطا کی اور ہم نے اس کو قبول کیا، اب ہمارے اوپر ذمہ داری ہے کہ ہم اس امانت کی قدر کریں اور اس امانت کو ایک ایک گھر تک پہنچائیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا کردہ اس امانت کو پہنچانے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہمارا ماحول پرامن ہو، اگر ماحول سازگار نہ ہوا تو ہمارا یہ کام آسان نہیں ہے۔ میں اس کی مثال دیتا ہوں کہ اگر کسی محلّہ یا کالونی میں کوئی نیا آدمی آباد ہوا اور پورا محلّہ اس پر انگلی اٹھائے کہ یہ چور وڈاکو ہے اور یہ بہت برا شخص ہے، نتیجہ یہ نکلے گا کہ سب مل کر کوشش کریں گے کہ کسی طرح اس کو وہاں سے نکال دیا جائے، اب اگر وہ اپنی شبیہ صاف نہ کرے تو اس کو وہاں رہنا مشکل ہوگا اور اسے وہاں سے نکلنا پڑے گا۔

آج ہم اپنی صورت حال سے بخوبی واقف ہیں، اس زمانہ میں میڈیا چاہے وہ کسی بھی قسم کا ہو اور اس میں سوشل میڈیا سب سے بڑھ کر ہے، پھر پرنٹ میڈیا اور الکٹرانک میڈیا آج جو کچھ زہر اگل رہا ہے، اگر ہم اس کی زہرافشانی کے باوجود خاموش بیٹھ جاتے ہیں تو یقیناً یہ سمجھا جائے گا کہ اس کی بات کسی حد تک صحیح ہے، اس لیے ہمیں کچھ نہ کچھ ضرور کرنا پڑے گا، اس سلسلہ میں جو عملی قدم اٹھائے جائیں گے، میں سمجھتا ہوں کہ وہ سب سے بڑھ کر مؤثر ہوں گے، آدمی کی زبان اور اس کی زندگی کے بولنے میں بڑا فرق ہے، آدمی زبان سے اگر کوئی بات کہتا ہے تو اس کو دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، اگر اس کے پاس دلیل نہ ہو تو اس کی زبانی باتوں کی کوئی وقعت نہیں، لیکن اگر اس کے پاس دلیل ہے اور اس کی زندگی شاہد ہے کہ وہ جو بات کہہ رہا ہے، وہ گویا اس کی عملی زندگی کی ایک تفسیر ہے تو یقیناً اس کی باتوں کے اندر ایک وزن پیدا ہوگا۔

پیام انسانیت کے مشن میں دونوں کام ضروری ہیں، ایک طرف ہماری جو اخلاقی

زندگی ہے، اللہ کے نبی ﷺ کی مبارک زندگی میں جس کے نمونے موجود ہیں، ہمیں ان اخلاقی نمونوں کو سب سے بڑھ کر اپنانے کی ضرورت ہے۔ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ لوگ ہمارے دشمن ہیں، لوگ ہمارے خون کے پیاسے ہیں اور لوگ ہم پر حملہ آور ہیں تو ہم ان کے ساتھ کیسے سلوک کریں اور ہم ان کے ساتھ اخلاق کیسے برتیں؟

میں آپ کے سامنے اس کے جواب میں صرف ایک مثال عرض کرتا ہوں کہ جب مکہ مکرمہ میں قحط پڑا تو وہ لوگ اللہ کے نبی ﷺ کے دشمن تھے، اس زمانہ میں مدینہ پر بار بار چڑھائی کی گئی، وہی مکہ تھا جہاں سے آپ ﷺ کو نکالا گیا، آپ ﷺ کے صحابہ کو شہید کیا گیا، سب کچھ ہوا لیکن آپ ﷺ کو جب معلوم ہوا کہ لوگ پریشانیوں میں ہیں تو آپ نے ان کے لیے باقاعدہ ریلیف کا انتظام فرمایا اور چندہ کر کے ایک بڑی رقم دینار کی شکل میں آپ ﷺ نے ابوسفیان کے نام بھیجی، یہ وہی ابوسفیان ہیں جو اس وقت مشرکین مکہ کے سردار تھے، اللہ نے ان کو بعد میں ہدایت عطا فرمائی اور وہ صحابہ کی صف میں شامل ہوئے لیکن اس وقت وہ دشمنوں کے سردار تھے، اس کے باوجود آپ ﷺ نے انہیں رقم بھیج کر گویا ہمیں یہ نمونہ دیا کہ ہمیں دشمنوں کے ساتھ بھی کیا برتاؤ کرنا ہے؟

آج ہمارے اس ملک کے حالات ایک طرف لیکن میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ آج بھی اکثریت کے ذہن کھلے ہیں اور ان کے ذہن کی تختیاں صاف ہیں، اس پر نقوش کون بناتا ہے' اب یہ ذمہ داری ہماری اور آپ کی ہے، ایک طبقہ وہ ہے جو اپنے تمام وسائل اور اپنی تمام تدبیروں کے ساتھ کوشش میں لگا ہوا ہے کہ ایسے لوگوں کو غلط رخ دے دیا جائے، ان کے ذہنوں کو مسخ کر دیا جائے اور ان کے ذہن و دماغ پر ایسے گندے نقوش ثبت کر دیئے جائیں کہ پھر ان کو مٹانا آسان نہ ہو۔

ایسی صورت میں اگر خدانخواستہ ہم اپنی ذمہ داری محسوس نہ کریں اور ہم اپنے کاموں میں لگے رہیں، کوئی تاجر ہے تو اس کو فرصت نہیں اپنی دنیا بٹورنے سے بلکہ

میں تو آگے بڑھ کر یہاں تک کہتا ہوں کہ ایک مصنف ہے جو صرف عام موضوعات پر لکھ رہا ہے اور اس کو پتہ نہیں کہ کل اس کی اشاعت کا انتظام ہو سکے یا نہ ہو سکے، اسی طرح اگر کوئی کسی مدرسہ میں پڑھا رہا ہے، یا کوئی شخص کسی دینی کام میں لگا ہوا ہے، یا دنیا کے کسی کام میں لگا ہوا ہے، مگر اسے یہ احساس نہیں کہ نیچے سے زمین کھسک رہی ہے، اگر ہمارا Base مضبوط نہیں ہے تو یاد رکھیں کہ ہمارا کام آسان نہیں ہے، آج ہمیں اپنے Base کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ سے کسی نے کہا کہ آپ نے ایک نئی تحریک کیوں شروع کردی؟ انہوں نے فرمایا کہ ہم نے کسی نئی تحریک کا اضافہ نہیں کیا بلکہ ہم نے آپ کی تحریکات کی حفاظت کے لیے ایک حصار کا انتظام کیا ہے، اگر یہ حصار قائم نہ ہوا تو پھر ہماری تحریکات بھی خطرہ میں ہیں، ہمارے مدارس بھی خطرہ میں ہیں، دین کے کام بھی خطرہ میں ہیں اور ہماری مسجدیں بھی خطرہ میں ہیں۔

اس وقت جس صورت حال کا ہمیں سامنا ہے، ان حالات میں حضرت مولانا کی باتیں بالکل روز روشن کی طرح صاف نظر آرہی ہیں، آج واقعہ یہ ہے کہ ہماری مسجدیں خطرہ میں ہیں، ہماری اذانیں خطرہ میں ہیں۔ مولانا جب یہ بات فرماتے تھے تو شاید اس وقت لوگ اس بات کو کسی بوڑھے کی بڑ سمجھتے تھے، کوئی یہ سوچنے کے لیے تیار نہ تھا کہ یہاں کبھی اذانوں پر بھی پابندی لگ سکتی ہے، یہاں مدرسوں پر بلڈوز چل سکتا ہے اور یہاں کے بڑے دینی اداروں پر غلط نگاہیں اٹھنے لگیں گی۔

اللہ کے اس بندے اور اس مرد دانا نے آج سے ستر سال پہلے جو کچھ سوچا تھا اور جن خطرات سے خبردار کیا تھا' آج وہ سارے خطرات ہمارے سامنے ہیں، اگر آج بھی خدانخواستہ ہم بیدار نہ ہوئے، اگر آج بھی خدانخواستہ ہم نے کمر ہمت نہ باندھی اور اگر آج بھی خدانخواستہ ہم نے یہ سمجھ لیا کہ سب خیریت ہے۔ یاد رکھیں! جس طرح

شتر مرغ ریت کے طوفان کو دیکھ کر منھ نیچے کر لیتا ہے اور وہ یہ نہیں جانتا کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ آپ جانتے ہیں پھر اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ اسی ریت میں اس کی قبر بن جاتی ہے۔ اگر خدانخواستہ آج بھی ہمارے اندر احساس بیدار نہ ہوا اور ہم نے اپنی کوششیں آگے نہ بڑھائیں، ہم اپنے خواب غفلت میں پڑے رہے اور اپنے کاموں میں مست رہے تو میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ خدانخواستہ ہمارا انجام اسی شتر مرغ کی طرح نہ ہو جس کو آگے آنے والے خطرہ کا احساس نہیں ہوتا، اس کے بعد پھر وہ ساری چیزیں ہمارے سامنے آجائیں جن کے خطرات آج بادل کی طرح منڈلا رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود کیا ہمیں اس کا احساس ہے؟

آپ یہاں ایک اہم موضوع کو لے کر جمع ہوئے ہیں، یہ اتنا بڑا اور تاریخی شہر ہے جس کی ایک تاریخ رہی ہے، لیکن میں آپ سے یہ کہتا ہوں کہ اس اہم موضوع پر ہمارے اندر جو ایک حمیت ہونی چاہیے، بڑے جذبہ کے ساتھ آگے بڑھنے کا ہمارے اندر جو حوصلہ ہونا چاہیے، ہم غور کریں کہ کیا واقعۃً وہ چیز ہمارے اندر ہے؟ کیا ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ آگے جو کچھ ہونے والا ہے وہ بغیر ہماری کسی محنت کے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ حضرت مولاناؒ بار بار یہ بات کہتے تھے کہ ہمارے سامنے جو چیلنجز ہیں، اگر ان کو ہمارے علماء نے نہ سمجھا اور وہ میدان عمل میں نہ آئے تو دنیا کی کوئی طاقت اس ملک کو تباہ ہونے سے بچا نہیں سکتی۔

میں صاف کہتا ہوں کہ یہ تباہی صرف مسلمانوں کی نہیں بلکہ یہ تباہی پورے ملک کی ہے، مسلمان اس سرزمین کے لیے ایک جوہر کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کے اخلاق سے اس ملک کو بہت کچھ ملا، اللہ نے مسلمانوں کے ذریعہ سے اس ملک کو جو عروج دیا ہے، شاید یہاں کی قومیں اس بات کو نہیں سمجھتیں کہ اگر خدانخواستہ یہ قوم اپنے اس جوہر کے ساتھ ختم ہو گئی تو یہ بات اس ملک کے لیے انتہائی خطرناک ثابت ہو گی۔

اسی کے ساتھ میں یہ بات بھی بالکل صاف کہتا ہوں کہ یہ ذمہ داری صرف مسلمانوں پر ہے، اس لیے کہ جوہر بھی مسلمانوں ہی کے پاس ہے، آپ یہ طے کریں کہ اپنے اپنے میدان عمل میں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو جو دائرۂ کار عطا فرمایا ہے اس کے اندر کام کرنا ہے، ہمیں لوگوں میں ایک بیداری پیدا کرنی ہے، ہمیں خاص طور سے نوجوانوں کو ٹارگیٹ کرنا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ آج لوگ کس طرح ارتداد کی کگار پر ہیں، کس طرح لوگوں کے ذہن ودماغ میں شکوک وشبہات پیدا کیے جارہے ہیں، اسلام کے بارے میں، قرآن کے بارے میں اور اللہ کے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی کے بارے میں جس کے بارے میں دشمنوں نے اعتراف کیا کہ آپ کی مبارک زندگی پر ایک حرف اور ایک نقطہ رکھنے کی گنجائش ممکن نہیں ہے، لیکن آج حالت یہ ہے کہ پرانی سے پرانی کتابوں کو کھنگال کر وہ گندگیاں جن کو دفن کردیا گیا تھا تاکہ بدبو نہ پھیلے، آج ان کو میزوں پر سجایا جارہا ہے اور ان کے تعفن سے ساری دنیا بدبودار ہورہی ہے۔ آج کے ان حالات میں کیا ہماری یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ ہم ان گندگیوں کو دفن کریں؟ لوگوں کے ذہن ودماغ میں جو گندگیاں ڈالی جارہی ہیں، ہم ان کا آپریشن کریں، ہم ان کی برین واشنگ کریں اور ہم وہ چیزیں نکال کر لوگوں کے ذہنوں کو صاف کریں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے عالم انسانیت کے لیے زندگی کا جو نظام دیا وہ نظام صحیح طریقہ پر لوگوں کے سامنے آسکے اور غلط فہمیاں دور ہوسکیں۔

ہمارے نوجوان مسلمان جو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ہیں، اسی طرح ہماری مسلمان بچیاں بھی آج تیزی کے ساتھ ارتداد کا شکار ہورہی ہیں، اس لیے کہ انہیں اپنی حقیقت کا علم نہیں اور ہم خواب غفلت میں ہیں۔

سچی بات یہ ہے کہ پیام انسانیت کا مشن میدان سازی کا کام ہے، یہ ایک

بنیادی کام ہے، اگر آپ نے یہ Base مضبوط کرلیا تو میں صاف کہتا ہوں کہ آپ اس کے اوپر سومنزلہ عمارت بنایئے، آپ کو بنانے کا حق ہے اور پورا موقع ہے، آپ کی اس عمارت کو اس مضبوط Base کی وجہ سے کوئی ہلا نہیں سکتا، لیکن اگر خدانخواستہ آپ کا یہ Base مضبوط نہیں ہے تو چاہے آپ کتنا ہی مضبوط مدرسہ بنایئے' اللہ وہ دن نہ لائے کہ ہمارے مدرسے اور ہمارے دینی کام خطرہ میں پڑ جائیں۔ اگر خدانخواستہ آج بھی ہم بیدار نہ ہوئے اور آج بھی ہم نہ جاگے تو یاد رکھئے کہ شاید آنے والی تاریخ اور آنے والے لوگ ہمیں معاف نہ کرسکیں گے۔

آپ یہاں مختلف علاقوں سے جمع ہوئے ہیں، میں آپ سے امید کرتا ہوں کہ اگر آپ میں سے ایک ایک فرد یہ طے کرکے جائے کہ ہمیں انشاء اللہ ایک بیداری پیدا کرنی ہے، یہ پورا ملک جہاں گویا سب کے سب سو رہے ہیں اور گاڑی بالکل ڈھلوان پر ہے، خطرہ ہے کہ کسی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش نہ ہوجائے، ایسی صورت حال میں ہمیں بیداری پیدا کرنی ہے کہ ہمیں کدھر جانا ہے؟ ہمیں اپنے رخ کو ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے، اگر ہم نے وہ کام نہ کیا تو اس کا ڈر ہے کہ ہم آگے وہ کام نہیں کرسکیں گے۔

کسی کہنے والے نے یہ بات خوب کہی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو موقع واختیار دیا ہے، اگر آپ نے اس موقع سے فائدہ نہ اٹھایا اور اپنے دائرۂ کار کو صحیح طور پر استعمال نہ کیا تو وہ دائرہ تنگ سے تنگ ہوتا چلا جائے گا، لیکن اگر آپ نے اس کا صحیح استعمال کیا تو اللہ کا فیصلہ ہے کہ وہ دائرہ وسیع ہوگا۔ اس لیے اپنی اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے، اپنے اپنے مقام پر آپ جو کرسکتے ہیں' اس کے لیے آگے آیئے، آپ لوگوں میں بیداری پیدا کیجیے اور لوگوں کے سامنے پیغام رکھئے۔

پیام انسانیت کا ورک شاپ جو حقیقت میں ایک تربیتی نظام ہے، اگر ہمارے کارکنان اس میں شریک نہیں ہوں گے تو ان کے سامنے کام کا صحیح طریقہ نہیں آئے گا،

میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت ورک شاپ کی بڑی ضرورت ہے اور اس کے لیے ایک نظام بنانے کی ضرورت ہے، الحمدللہ ہماری ایک ٹیم اس میں مصروف عمل ہے جو لوگوں تک صحیح بات پہنچاتی ہے، ان کے سامنے طریقہ کار بیان کرتی ہے اور عملی طور پر تجربات کر کے دکھاتی ہے تاکہ لوگوں کو کام میں دشواری نہ ہو۔

پیام انسانیت کے کام سیکھنے کے بعد اس کے جو رفاہی کام ہیں' وہ ہمیں کرنے چاہئیں، ہمارے لیے ان کی حیثیت دلیل کی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ آج ان کاموں کی سب سے بڑھ کر ضرورت ہے، الحمدللہ یہ رفاہی کام ہو رہے ہیں اور انشاء اللہ مزید ہوں گے۔ اسی کے ساتھ دوسری سب سے بڑی ضرورت ''ذہن سازی'' کی ہے، اس کے لیے ڈائیلاگ کا سلسلہ شروع کیا گیا اور الحمدللہ مختلف بڑے شہروں میں ڈائیلاگ کیے گئے، میں سمجھتا ہوں کہ ہر شہر اور ہر بڑے قصبے میں لازم ہے کہ ایسے ڈائیلاگ کیے جائیں جس کے اندر وہاں کے اہم ترین پچاس ساٹھ لوگوں کو جمع کیا جائے جو ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے ہوں، پھر ان کے سامنے وہ لوگ اپنی بات کہیں جو زبان کے جاننے والے ہوں اور اس کام کی سمجھ رکھتے ہوں۔ میں نے محسوس کیا کہ اس سے ایک بڑی تبدیلی پیدا ہوتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ اگر ان پچاس لوگوں کے ذہن بدلے تو ان میں سے ایک فرد ایک فرد نہیں بلکہ اس کے پیچھے بعض مرتبہ ہزاروں افراد ہوتے ہیں۔

اسی طرح ہمیں میڈیا کو بھی ٹارگیٹ کرنا چاہیے، پیام انسانیت کے ڈائیلاگ میں میڈیا کے لوگوں کو بھی ان کی ذہن سازی کے لیے بلایا جائے، وہ اپنا کام آگے جو کرتے ہوں وہ کریں، لیکن کم از کم ان کا ذہن بنانے کی کوشش کرنا ضروری ہے۔ اگر ہم نے ان خطوط پر محنت کر لی تو آپ دیکھیں گے کہ انشاء اللہ اس کے بڑے اچھے نتائج ہمارے سامنے آئیں گے۔

میرے دوستو اور بھائیو!

میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس وقت گیند آپ کے پالے میں ہے،

آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں کی حاضری سے ایک ذہن دیا، آپ جب یہاں سے اس ذہن کو لے کر جائیں تو آپ کو یہ سمجھ کر اپنا کچھ وقت فارغ کرنا ہے کہ یہ کام ہمارے تمام کاموں کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے، یہ ہمارے لیے ایک حصار کی حیثیت رکھتا ہے، اگر یہ محفوظ ہے تو ہمارے لیے تمام کام آسان ہیں۔

میں اخیر میں یہ بات کہنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ اپنا ہر کام اللہ کے لیے کریں، جو کام اللہ کے لیے نہ ہو تو اس کی کوئی قیمت نہیں، میں یہ بھی کہتا ہوں کہ ہمارے یہ آپس کے جھگڑے کیوں ہوتے ہیں؟ بعض اوقات ان کا سبب یہ ہوتا ہے کہ ہمارا نام نہیں ہوا، ہمیں عزت نہیں ملی، ہمیں اسٹیج پر نہیں بٹھایا گیا، کیا ہم اس لیے کام کرتے ہیں؟ اگر خدانخواستہ ہمارے پیش نظر اللہ کی رضا نہیں ہے اور اس کے مقابلہ میں یہ ساری چیزیں ہیں تو ان کاموں کی کوئی قیمت نہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ آب زر بلکہ خون جگر سے لکھے جانے کے قابل ہے:

"ما كان لله فهو بقي" (جو کام اللہ کے لیے ہو وہی باقی رہتا ہے۔)

ہمیں اپنا ہر کام اللہ کے لیے کرنا ہے۔ آپ یہ نکتہ یاد رکھیں کہ دنیا کے مفادات ٹکراتے ہیں لیکن آخرت کے مفادات کبھی نہیں ٹکراتے، اگر آپ کے سامنے آخرت کے مفادات اور اللہ کی رضا ہے تو پھر آپ کا نام رہے یا نہ رہے، آپ کو عزت ملے یا نہ ملے، آپ نمایاں کیے جائیں یا نہ کیے جائیں، لیکن آپ کے سامنے اللہ کی رضا ہے، آپ قدم بڑھائیں گے تو ایک لمحہ کے لیے آپ کا قدم نہ کہیں رکے گا اور نہ ہٹے گا، اس لیے کہ آپ کے سامنے منزل ہے، لیکن اگر خدانخواستہ ہماری منزل ہی کھوٹی ہے، ہم کام کر رہے ہیں اور ہمارا مقصد کچھ اور ہے تو یہ بڑے خطرہ کی چیز ہے۔

ایک دوسری ضروری بات جو میں اکثر کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ

عشق ہے پیارے کھیل نہیں ہے
عشق ہے کار شیشہ و آہنگ

پیامِ انسانیت کا یہ کام حقیقت میں شیشہ و آہنگ کا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ شاید کوئی دوسرا کام اتنا نازک نہیں ہے، یہ کام جتنا ضروری ہے اتنا ہی نازک بھی ہے، اللہ ہماری حفاظت فرمائے، یہ ایک ایسا شیشہ ہے کہ اگر ہم نے احتیاط سے کام نہ لیا تو کہیں ہمارے ایمان کو چکنا چور نہ کردے، ہمیں بڑی حفاظت کے ساتھ آگے بڑھنا ہے، ہمیں لوگوں سے ملنا ہے، ہمیں لوگوں تک پہنچنا ہے، ہمیں لوگوں کی غم خواری کرنی ہے، ہمیں ان سے محبت کا معاملہ کرنا ہے، ہمیں انسانیت کے نام کی دہائی دینی ہے، ہمیں سب کچھ کرنا ہے لیکن ہر طرح کے شرک و کفر سے پوری طرح تعفن محسوس کرتے ہوئے اور اس کی گندگی کو محسوس کرتے ہوئے اللہ کے ذکر کے ساتھ اور اللہ کے نام کے ساتھ جب ہم آگے بڑھیں گے تو انشاء اللہ ایسا کوئی خطرہ پیش نہیں آئے گا۔

بعض مرتبہ ایسے سنگین واقعات بھی دیکھنے میں آئے کہ اس کام کی نزاکت نہ سمجھنے کے نتیجہ میں کہیں لوگ مورتیاں صاف کرنے لگے، یا غیروں کے مذہبی پروگراموں میں شریک ہوگئے، خود ہم سے ایک صاحب نے کہا کہ ہمیں ان کی ہولی دیوالی میں شریک ہونا چاہیے، ہم نے ان سے کہا کہ آپ نے تو سب گڑ گوبر کردیا، ہم تو کسی دوسرے مقصد کو پیش کرنا چاہتے ہیں لیکن آپ کہیں اور پہنچ گئے۔ اسی لیے میں بار بار عرض کرتا ہوں کہ یہ کام بڑا نازک ہے، ہمیں کہیں بھی کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرنا ہے کہ وہاں سے شرک و کفر کی کوئی آمیزش بھی ہمارے طرز عمل سے جھلکتی ہو۔ یہاں تک کہ ہمیں تو بعض مرتبہ گیندے کے پھول ڈالنا بھی اچھا معلوم نہیں ہوتا، اس لیے کہ اس کا جوڑ خاص دیومالائی نظام کے ساتھ ہے۔

ان شاء اللہ تمام نزاکتوں کو سمجھ کر ہمیں آگے بڑھنا ہے اور کام کرنا ہے، اللہ نے آپ کو جو اخلاقی نظام دیا ہے یہ بجائے خود ایسا طاقتور نظام ہے کہ اس دنیا کو بدلنے کے لیے کافی ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہی وہ مبارک اخلاق تھے جن سے دنیا کی کایا

پلٹ گئی، پھر آپ کے انہی اخلاق کی سچی تصویر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگی تھی جس نے دنیا میں اسلام پھیلایا، پھر انہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہمارے بڑے بڑے اولیاء اللہ نے اشاعت اسلام کا فریضہ ادا کیا۔

اس ملک کے فاتح حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی زندگی دیکھئے کہ اللہ نے ان کے ذریعہ کس طرح ایک انقلاب برپا کیا۔ میں اکثر ان کا وہ قصہ سناتا ہوں کہ جب شہاب الدین غوری ہندوستان سے واپس جا رہا تھا اور حضرت خواجہ صاحب ہندوستان تشریف لا رہے تھے تو اس نے راستے میں معلوم کیا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ حضرت نے کہا کہ ہندوستان جانے کا ارادہ ہے، اس نے کہا کہ حضرت! وہاں کی زمین بڑی سنگ لاخ ہے، میں وہاں کئی مرتبہ گیا لیکن مجھے فتح حاصل نہ ہو سکی، حضرت نے فرمایا: تم جسموں کو فتح کرنے کے لیے جاتے تھے اور میں دلوں کو فتح کرنے کے لیے جا رہا ہوں، شاعر نے خوب کہا ہے ؎

جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ

اگر آپ کوشش شروع کر دیں تو انشاء اللہ اس کا نتیجہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے، اللہ تعالیٰ ہمارے اندر اس کا عزم و حوصلہ پیدا کرے اور ہم بھرپور طریقہ پر آگے بڑھیں، خدا کرے کہ آج کے اس اجلاس سے ہمیں ایک نیا رخ ملے، اپنے اپنے علاقوں میں ہماری حیثیت ایک چراغ کی ہو اور ہم روشنی کا ذریعہ بن جائیں اور ہماری زندگی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی ہدایت کا ایک ذریعہ بنے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو صحیح راستہ عطا فرمائے۔ آمین!

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

۲۴؍فروری ۲۰۲۵ء
آسام

اقوام عالم میں امت مسلمہ کا وزن اور اس کا منصب

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا ونبینا ومولانا محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ أجمعین وعلیٰ من تبعھم بإحسان ودعا بدعوتھم إلیٰ یوم الدین أما بعد، فأعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم: ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ صدق اللّٰہ العظیم.

میرے محترم بھائیو، بزرگو اور دوستو!

پیام انسانیت کی محنت کا اصل مقصد انسانوں کو انسانیت کا سبق یاد دلانا ہے، آج ہم اپنے آپ کو اور اپنی ذمہ داریوں کو اس طرح بھول گئے کہ ہم خود اپنے آپ میں الجھ کر رہ گئے، ہمیں یہ خیال نہیں رہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اس دنیا میں کیوں بھیجا تھا؟ اگر ہمیں صرف یہی ایک بنیاد سمجھ میں آجائے تو پھر اس کے اوپر مضبوط سے مضبوط عمارت بنانا آسان ہے، لیکن ہم اس بنیاد ہی کو فراموش کر کے بیٹھے ہوئے ہیں، ہمیں یہ خیال ہی نہیں کہ پانی کہاں سے مر رہا ہے؟ اگر کوئی خوبصورت عمارت یا کمرہ ہے اور آپ نے اس میں خوب رنگ وروغن کر لیا، لیکن اس میں جہاں سے پانی مر رہا ہے وہ جگہ آپ کے علم میں نہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کچھ ہی عرصہ میں وہ دوبارہ خراب

ہو جائے گا اور پانی کے قطرات آنے لگیں گے، ظاہر ہے جب تک وہ منفذ بند نہیں ہوگا اس وقت تک ساری محنتیں نقش برآب ثابت ہوں گی۔

دعوت کے کام کا سب سے پہلا مرحلہ یہ ہے کہ ہمیں خود اپنے آپ کو سنوارنے کی ضرورت ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے کہ

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾

(تم بہترین امت ہو جس کو لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے۔)

یہ امت حقیقت میں تمام لوگوں، تمام انسانوں، تمام قوموں، ہر طرح کے رنگ ونسل والوں اور تمام دنیا کے لیے برپا کی گئی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں صرف اپنی ذات کے لیے پیدا نہیں کیا، ہمیں صرف مسلمانوں کے لیے بھی پیدا نہیں کیا، بلکہ اللہ نے ہمیں عالم انسانیت کے لیے پیدا کیا، اب اگر خود ہم اپنے الجھاؤ اور جھگڑوں میں رہ جائیں، ہم اپنے رنگ ونسل کے مسائل میں الجھ کر رہ جائیں اور ہمارے درمیان طرح طرح کے تفرقوں کی جو شکلیں ہیں، چاہے وہ کچھ بھی ہوں، خواہ وہ جماعتی ہوں، مدرسے کی ہوں، نسلی ہوں، لسانی ہوں، یا کسی بھی حیثیت سے ہوں، اگر ہم ان حدود کو جو ہم نے قائم کی ہیں، ختم نہیں کر سکیں گے تو ہم دوسروں کو کہاں سے جوڑ سکتے ہیں؟!

ہمارے کام کا پہلا مرحلہ یہی ہے کہ ہمیں خود اپنا مقام ومنصب سمجھنے کی ضرورت ہے، اللہ نے ہمیں بہت اونچا بنایا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلاً﴾(الإسراء: ٧٠)

(اور یقیناً ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی اور خشکی اور سمندر میں ان کو سواری دی اور ان کو اچھے اچھے رزق دیئے اور اپنی مخلوقات میں بہتوں پر ان کو خاص رتبہ بخشا۔)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کو برتری دی اور انسانوں میں بھی اپنے ماننے والوں کو جو فضیلت بخشی، ان پر ایک بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام دنیا کے لوگوں کی خبر لیں، تمام لوگوں کو صحیح پیغام دیں، وہ لوگوں کو ایک ایسا راستہ بتائیں جو کامیابی کی منزلوں تک لے جاتا ہے، اب اگر خدانخواستہ ہم خود میں الجھ کر رہ جائیں تو دوسروں تک کیا پیغام پہنچا سکیں گے؟ اگر ہم نے خود کو نہ پہچانا اور اپنا مقام ومنصب یاد نہ رکھا تو ہم دوسروں کو خالق حقیقی کی معرفت کا درس کیا دے سکیں گے؟!

اس وقت واقعہ یہ ہے کہ دنیا کی قومیں بڑی پریشانیوں اور الجھنوں کا شکار ہیں، آپ یہ نہ سمجھیں کہ وہ بڑی بڑی عمارتوں میں رہتے ہیں، اعلیٰ سے اعلیٰ گاڑیوں میں گھومتے ہیں، ان کے پاس بڑی حکومتیں ہیں، ان کے پاس اسباب ہیں اور ہر طرح کے وسائل ہیں، ان کے پاس اعلیٰ جنگی ذرائع بھی ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ ہونے کے بعد بھی وہ اپنے اندر انسانوں کا دل نہیں رکھتے، یہی وجہ ہے کہ وہ جانوروں کی زندگی گزارتے ہیں، لیکن وہ انسان ہیں اور اللہ نے ان کے اندر ایک حس رکھی ہے، اس لیے جانوروں جیسی زندگی گزارنے کے بعد ان کے اندر بحیثیت انسان کے ایک بے چینی کا احساس پیدا ہوتا ہے، اس لیے کہ اللہ نے ان کے اندر دل ودماغ انسانوں ہی کا رکھا ہے، یہ ایسی چیز ہے کہ ان کے علاج کا اگر کوئی ذریعہ تھا تو وہ علاج اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا تھا۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم دوسروں کی بیماریوں کا علاج تو کیا کرتے، آج ہم خود بیمار ہیں، ہم نے خود کو اپنی بداعمالیوں سے بیمار کرلیا، جب کہ نسخہ ہمارے پاس ہے، اعلیٰ سے اعلیٰ دوائیں ہمارے پاس ہیں، ہمارے آقا حضرت محمد عربی ﷺ نے ہمیں سجا سجایا دسترخوان دیا ہے، کون سی چیز ہے جو ہمارے پاس نہیں، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ میں آپ سے یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ پہلے مرحلہ میں

اپنے آپ کو پہچانئے، آپ غور کریں کہ اللہ نے بحیثیت مسلمان آپ کے اوپر کیا ذمہ داری عائد کی ہے؟ اور بحیثیت ایک آخری امت کے لیے اللہ آپ سے کیا مطالبہ کرتا ہے؟ جس طرح اللہ کے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں، اسی طرح اللہ نے آپ کی امت کو بھی خاتم الامم بنایا اور آپ کی شریعت کو خاتم الشرائع بنایا، آپ ﷺ آخری نبی، یہ آخری امت اور یہ آخری شریعت اور یہ آخری کتاب ہدایت یعنی قرآن مجید، اب اس کے بعد نہ کوئی نیا نظام آئے گا، نہ کوئی کتاب آئے گی، نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی نئی شریعت آئے گی، اگر کوئی دعویٰ کرتا ہے تو وہ بالکل جھوٹا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آخری شریعت کو ایسا بنایا ہے کہ اس میں دنیا کے اندر بسنے والے ایک ایک فردِ بشر کے لیے نجات کا سامان ہے اور واقعہ یہ ہے کہ آخرت کی نجات تو یقینی ہے، اگر غور کیا جائے تو دنیا کی نجات کا سامان بھی اللہ نے اسی شریعت میں رکھا ہے، الحمد للہ یہ شریعت ہمارے پاس ہے مگر افسوس کہ ہم اسے عملی زندگی میں اتارنے کے لیے تیار نہیں، جب اس نسخہ شفا کو ہم خود آزمانے کو تیار نہیں تو ہم دوسروں کے علاج کا انتظام کیا کر سکتے ہیں؟

میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہم اور آپ اپنے مقام ومنصب کو پہچانیں، اگر ہم خود اپنی سماجی زندگی کو اسلامی نظام کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتے تو سچی بات یہ ہے کہ ہماری زندگی سے ایسی روشنی پھوٹتی کہ سارے عالم کی تاریکیاں چھٹ جاتیں، افسوس کی بات ہے کہ آج کے ان حالات میں بھی ہم اس کے لیے تیار نہیں بلکہ ہم اپنے ہی مسائل میں الجھے ہوئے ہیں، ہم انہی باتوں میں الجھے ہیں کہ یہ فلاں خاندان کا ہے، یہ فلاں قبیلے کا ہے، یہ فلاں برادری کا ہے، یہ فلاں پارٹی کا ہے اور یہ فلاں جماعت کا ہے، شاعر کیا خوب کہتا ہے ؎

بتانِ رنگ وبو کو توڑ کر ملت میں گم ہوجا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی

آج یہ کون سی نسبتیں ہیں جن کو ہم ترجیح دے رہے ہیں کہ یہ آسامی ہے، یہ یوپی کا رہنے والا ہے، یہ کالا ہے، یہ گورا ہے، یہ لمبا ہے، یہ چھوٹا ہے، یہ سرحد پار کا ہے، یہ امیر ہے یا غریب ہے۔ کیا ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ ہمیں تو یہ درس دیا گیا تھا:

"الناس کلھم بنو آدم وآدم خلق من تراب."(الترمذی: ٤٣٣٦)

(تمام اولاد بنی آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو ایک لڑی میں پرویا، آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی امت میں پیدا کیا اور یہ ایسی وحدت تھی کہ اگر ہم اس کو سمجھ لیتے تو ہم دنیا کو وہ دولت دیتے جس کی دنیا کو ضرورت ہے۔ پیام انسانیت حقیقت میں اسی ضرورت اور احساس کو پیدا کرنے کی ایک تحریک ہے۔ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور ۱۹۷۴ء میں الٰہ آباد سے باقاعدہ اس کام کا آغاز کیا، انہوں نے اس حقیقت کا ادراک کرلیا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانیت کی وحدت میں ایسی کشش رکھی ہے کہ اس کے ذریعہ سے دنیا کو کھینچا جاسکتا ہے۔

میرے بھائیو!

واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم نے خود کو نہ پہچانا تو ہم دوسروں کو کوئی پیغام نہیں دے سکتے، اللہ نے انسانیت کا جو جوہر اسلام کے ذریعہ سے ہمیں دیا، دنیا کی قومیں اس سے قاصر ہیں، آپ اس جوہر کو اندر سے نکالیے، اللہ نے اسے دلوں میں چھپا کر رکھا ہے، جس طرح کانیں ہوتی ہیں؛ کوئلے کی کان، لوہے کی کان، چاندی اور سونے کی کان، آپ انہیں کھود کر مخفی خزانوں کو باہر نکالیے، پھر آگ کی بھٹی میں اس کو اچھی طرح تپایئے اور دیکھئے کہ آپ کے سامنے کیسے جواہر آتے ہیں، صحیح انسانیت کا جوہر جو اللہ نے ہمارے

دل ودماغ میں رکھا ہے، اگر ہم اسے اسلام کی بھٹی میں تپا دیں تو آپ دیکھیں گے کہ دنیائے انسانیت کے لیے یہ کتنا غیر معمولی قیمتی سرمایہ ہوگا، لیکن آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہم تھوڑی سی قربانی دینے کے لیے تیار نہیں ہیں، ہمارے لیے چھوٹی چھوٹی باتیں رکاوٹ بنتی ہیں اور مسائل پیدا کرتی ہیں۔

آپ کا یہ صوبہ آسام جہاں ماشاء اللہ آخری نبی ﷺ کے ماننے والے بہت بڑی تعداد میں ہیں، ہندوستان کے تمام صوبوں میں آپ کے صوبے کا دوسرا یا تیسرا نمبر ہے، مگر افسوس کی بات ہے کہ ہم بحیثیت امت مسلمہ کے کوئی نمونہ پیش نہ کر سکے اور ہم الجھ کر رہ گئے کہ یہ فلاں سرحد پار کا ہے، یہ فلاں خاندان کا ہے، یہ فلاں پارٹی کا ہے، یہ فلاں کا ماننے والا ہے۔ جب کہ حقیقت میں تو ہم صرف حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ماننے والے ہیں اور ہمیں ہمارے بزرگوں نے اسی کی تلقین کی ہے، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ جب یہاں تشریف لاتے تو یہ نہیں سکھاتے تھے کہ تم فلاں پارٹی میں چلے جاؤ، فلاں خاندان میں چلے جاؤ اور فلاں کو مانو یا فلاں کو نہ مانو، انھوں نے ہم کو اس راستے پر ڈالا جو راستہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے بتایا تھا، آج ہمیں سب سے بڑھ کر ان سرحدوں کو توڑنے کی ضرورت ہے ؎

غبار آلودۂ رنگ ونسب ہیں بال وپر تیرے
تو اے مرغ حرم! اڑنے سے پہلے پر فشاں ہوجا

آج ہمارا حال یہ ہے کہ اب ہمارے اندر قوتِ پرواز نظر نہیں آتی، اس لیے ہمیں سب سے پہلے مرحلہ میں ان آلودگیوں کو، ان غلاظتوں اور نجاستوں کو اپنے آپ سے بالکل الگ اور صاف کرنا ہے، پھر جب آپ اسلام کے جوہر، اس کی صفات اور اخلاقی بلندیوں کے ساتھ سامنے آئیں گے تو دیکھیں گے کہ دنیا آپ کی قیمت کو کس طرح پہچانے گی اور وہ کس طرح آپ سے سبق لے گی، وہ تو آپ کے دسترخوان کے

گویا طفیلی اور بھوکے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ ان کے سامنے کوئی دو نوالے رکھ دے، افسوس ہے کہ آج ہم نہ کھانے کے لیے تیار ہیں اور نہ کھلانے کے لیے تیار ہیں، ہمارا حال یہ ہے کہ ہم خود بھوکے مریں گے اور دوسروں کو بھی بھوکا ماریں گے۔

میرے دوستو اور بھائیو!

اللہ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ہمیں جو کچھ دیا ہے، انہوں نے ہمارے لیے جس دسترخوان کو سجایا ہے، آپ یہ طے کرلیں کہ ہم خود اس میں سے کھائیں گے اور دوسروں کو بھی کھلائیں گے، پھر آپ دیکھئے گا کہ زندگی کا مزہ کیا ہے؟!

آج ہمارا حال اس حد تک گر چکا ہے کہ جب آدمی تنہائی میں کچھ سوچتا ہے تو بس یہی کہ کس طرح دوسرے کو نیچا دکھایا جائے، اس کے لیے تدبیریں سوچتا ہے، یہاں تک کہ اپنے ہی بھائی کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کرتا ہے، لیکن وہ یہ بھول جاتا ہے کہ ہم جو کچھ کریں گے' حقیقت میں اپنے لیے ہی قبر کھودیں گے۔

اس وقت ہمیں تمام باتوں کو بھلا کر اور اپنے اصل منصب کو پہچان کر میدان عمل میں آنے کی ضرورت ہے، ہمیں اسلام کے صحیح اخلاقی نظام، اجتماعی نظام اور معاشرتی نظام کو لوگوں کے سامنے لانے کی ضرورت ہے۔ اللہ نے اسلام کو ایسا بنایا ہے کہ وہ خود بولتا ہے، وہ کہیں اور سے نہیں بلکہ ہماری زندگی سے بولتا ہے، اگر ہم اسلام کو اختیار کریں گے تو ہماری زندگی سے اسلام بولے گا، جس کو کہتے ہیں ''پھوٹنا''، جب بلب جلاؤ گے تو روشنی پھوٹے گی اور اگر سوئچ بند کردو تو روشنی نہیں رہے گی، آج واقعہ یہ ہے کہ ہمارے سارے سوئچ آف ہیں، ہمیں بس انہی سوئچ کو کھولنے کی ضرورت ہے، آج ہم اندر کے اصل کرنٹ سے محروم ہیں، اگر ہم سوئچ آن کردیں تو آپ دیکھیں گے کہ کیسی روشنی پھیلتی ہے۔ آج اسی چیز کی ضرورت ہے اور یہی پیام انسانیت کا پیغام ہے کہ آدمی اپنی زندگی کو ایسا بنالے کہ اللہ نے ہمیں جس مقصد کے لیے دنیا میں بھیجا اور

عالم انسانیت کے لیے ہمیں ایک ایسی روشنی دی کہ اگر ہم اس کے مطابق اپنی زندگی کو روشن کر لیتے تو دنیا کی تاریکیاں چھٹ جاتیں۔

یہ صوبہ جہاں الحمدللہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہے، آپ یہاں یہ طے کر لیجیے کہ انشاء اللہ ہم ایک ایسا نمونہ پیش کریں گے جس کی بنا پر لوگ مجبور ہو کر ہمارے پاس آئیں، آج ہم کاسہ گدائی لیے کھڑے ہیں، کبھی حکومتوں کے در پر، کبھی عدالتوں کی چوکھٹ پر کہ ہمیں یہ مل جائے اور وہ مل جائے، آپ یاد رکھئے! ہم نے اپنے آپ کو اس حد تک جو گرایا ہے' وہ صرف اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو کچھ دینے کے لیے پیدا کیا تھا اور آج ہم بھکاری بن گئے۔ آپ طے کیجیے کہ آپ دینے والے بنیں گے' لینے والے نہیں، اللہ نے آپ کو یہ مقام نہیں دیا کہ آپ جا کر کاسہ گدائی لیے کھڑے رہیں، اللہ نے آپ کو دینے والا بنایا ہے، اللہ نے آپ کو ایک نظام زندگی دیا ہے اور انسانیت کا جوہر دیا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس جوہر کو پیش کریں، ہم وہ اخلاق پیش کریں اور ہم دینے والے بنیں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ عام طور پر لوگ ان باتوں پر توجہ نہیں دیتے، کاش کہ ہم یہ بات سمجھ لیں کہ اللہ نے ہمیں اس دنیا میں کس لیے بھیجا ہے؟ اللہ نے اس امت کو ''خیر امت'' کا لقب دیا، اس اعزاز کی وجہ یہ نہیں کہ ہمارے سرخاب کے پر لگے تھے، بلکہ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آخری نبی کی امت میں پیدا کر کے ہمیں ایک عزت بخشی اور ہم پر غیر معمولی احسان فرمایا، کیا ہم نے کبھی اس احسان پر غور کیا؟ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی چیز مفت میں مل جائے تو اس کی بڑی ناقدری ہوتی ہے۔ ہمیں اس احسان کو سمجھنا چاہیے اور اس کی قدر بھی کرنا چاہیے، اللہ نے ہمیں جو مقام و منصب دیا ہے' اس کے نتیجہ میں ہماری بہت بڑی ذمہ داری بنتی ہے، اللہ نے ہمیں دنیائے انسانیت کے لیے بھیجا ہے، ہمیں اپنے جوہر کو دکھانا ہے اور انسانیت کا سبق دہرانا ہے۔

اس وقت لوگوں کے ذہنوں میں جو غلط فہمیاں پیدا کی جا رہی ہیں، میڈیا کے ذریعہ سے رائی کا پربت بنا کر پیش کیا جا رہا ہے، آج میڈیا بات کا بتنگڑ بنا دیتا ہے لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ بات کہاں سے آتی ہے اور اس کو رائی کہاں سے ملتی ہے؟! ظاہر ہے وہ ہمارے ہی سماج سے ملتی ہے، اس کو ہمارے ہی محلوں میں وہ بات نظر آتی ہے جس کو وہ بات کا بتنگڑ بناتا ہے، اگر ہم یہ طے کر لیں کہ نہ بات ملے گی اور نہ رائی تو کہاں سے یہ سب تماشے ہوں گے۔ اس لیے ہمیں اپنے اخلاق بنانا ہیں، پھر دوسروں کے ذہن بنانے کے لیے ان کے سامنے انسانیت کی باتیں رکھنی ہیں، ہمیں ان کی ذہن سازی کرنی ہے اور ان کے ذہن بنانے ہیں۔

ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ پورے ملک کے طول و عرض میں جہاں بھی اس طرح کے کام ہو رہے ہیں، ڈائیلاگ ہو رہے ہیں، کارنر میٹنگیں ہو رہی ہیں، جلسے ہو رہے ہیں، پھر اس کے ساتھ رفاہی کام بھی کیے جا رہے ہیں، ان سب کاموں کا ایک نفع محسوس ہو رہا ہے۔ میں اکثر یہ بات کہتا ہوں کہ یہ تمام کام ہمارے لیے ایک دعویٰ کی حیثیت رکھتے ہیں، اب اگر دعویٰ اور دلیل دونوں ہیں تو کام یقیناً بڑا آسان ہے۔

میں آپ سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ آپ اپنی حقیقت اور بنیاد کو سمجھ کر آگے بڑھیں اور ان دونوں میدانوں میں کام کریں، انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ آج جب کہ آپ پریشان ہیں، آپ سوچ رہے ہیں کہ نہ جانے اس صوبہ میں کیا ہوگا، ایک دن آپ کو محسوس ہوگا کہ یہ سب ہوائی باتیں تھیں، آپ کام کر کے دیکھیں تو اس کے نتائج آپ کے سامنے خود بخود آ جائیں گے۔

اللہ کے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ میں دعوت پیش کی تھی تو اس وقت سارا مکہ آپ کا دشمن تھا اور آپ کا ساتھ دینے والا کوئی نہ تھا، فاران کی چوٹیوں سے جب آپ نے سب سے پہلی ندا لگائی تو اس وقت آپ کی بات ماننے والا کون تھا؟

اس وقت لوگوں نے کیسی کیسی سخت باتیں کہیں؟! لیکن وہی مکہ بائیس سالوں کے بعد کس رخ پر آیا' وہ آپ سب جانتے ہیں، بس ہمیں اسی حقیقت کو سمجھنے کی ضرورت ہے، میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ اگر ہم وہی نظام اختیار کریں گے اور اپنی زندگی کو اسی سانچے میں ڈھالیں گے تو دیکھیں گے کہ انشاء اللہ اس کے کیا نتائج آپ کے سامنے آتے ہیں۔

میں اخیر میں بطور وصیت کے پھر یہ بات کہتا ہوں کہ آپ ان جھمیلوں کو ہٹا دیجیے، آپ ان جھگڑوں اور بکھیڑوں کو مٹا دیجیے، ایک مسلمان کے ناطے اور آخری نبی کی امت میں ہونے کے ناطے ایک ہوکر میدان عمل میں آیئے اور اپنی زندگی کے جوہر دکھایئے، آپ محسوس کریں گے کہ لوگ آپ کے قدموں پر آکر گر رہے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ آپ کے پاس وہ پانی ہے جس کے لیے دنیا آج پیاسی ہے، آج لوگ پریشان ہیں اور تڑپ رہے ہیں، اگر آپ نے وہ پانی پیش کر دیا اور لوگوں کی پیاس بجھا دی تو لوگ آپ کے غلام ہو جائیں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں توفیق دے، کام کرنے کی سعادت بخشے، آج کے اس دن کو مبارک بنائے، یہاں سے کام کی ایک بنیاد پڑ جائے اور اللہ ہم سے کام لے۔ آمین!

و آخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

۲۱/اکتوبر۲۰۲۵ء
حیدرآباد

نوجوانان ملت سے چند صاف باتیں

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام علىٰ سيد المرسلين وخاتم النبيين سيدنا ونبينا ومولانا محمد وعلىٰ آلهٖ وصحبهٖ أجمعين وعلىٰ من تبعهم بإحسان ودعا بدعوتهم إلىٰ يوم الدين أما بعد، فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمٰن الرحيم: ﴿إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى﴾ صدق الله العظيم.

حضرات علماء کرام اور میرے نوجوان دوستو!

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا میں انسان کو پیدا فرمایا اور اس کو مختلف مرحلوں سے گزارا، ایک مرحلہ بالکل ابتدائی عمر کا ہوتا ہے، جب بچہ دو چار اور دس بیس دن کا ہوتا ہے، پھر وہ اس عمر کو پہنچتا ہے کہ کھیل کود میں لگ جاتا ہے، پھر جب آگے بڑھتا ہے اور کچھ شعور اس میں بیدار ہوتا ہے تو اس کے اندر اچھے و برے میں کچھ فرق کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، اس کی زندگی کا یہ وہ اصل دور ہے جس کی حیثیت بنیادی ہے، اللہ نے انسان کی یہ عمر ایسی بنائی ہے کہ جب بچپن میں اس کے اندر تھوڑا سا احساس پیدا ہوتا ہے، اس وقت سے لے کر جوانی کے اختتام تک عمر ایسی ہوتی ہے کہ اس میں بہت کچھ آدمی سیکھتا ہے اور بہت کچھ کرتا بھی ہے، یہ عمر سیکھنے کی بھی ہے اور کرنے کی بھی،

بچپن کے اخیر یا جوانی کے ابتدائی دور کی صلاحیت خاص طور سے سیکھنے کی ہوتی ہے، پھر اصل کام کرنے کی عمر جوانی کی ہوتی ہے، بلاشبہ زندگی کا یہ مرحلہ انتہائی قیمتی ہے، بڑھاپے میں آدمی بس پھل کاٹتا ہے، گویا وہ جیسی کھیتی کرتا ہے اس کا نفع کھاتا ہے، اب ظاہر ہے کہ اگر کسی نے کھیتی کرنے کے وقت محنت کی ہے تو اس کو اپنی کھیتی کا ماحصل ملتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو یہ توفیق دی کہ آپ اس عمر میں کچھ سوچ رہے ہیں، کچھ سیکھ رہے ہیں اور کچھ کر رہے ہیں، آپ کے ذہنوں میں یہ بات آرہی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو ایک ذمہ داری دے کر بھیجا ہے، اس ذمہ داری کو ادا کرنا اور اس امانت کا احساس کرنا جو امانت اللہ نے ہمیں عطا فرمائی، ہمیں اس کا امین بنایا اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ساری انسانیت کے لیے وہ امانت ہمارے سپرد فرمائی، تمام ذمہ داریوں میں ہماری یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ ہم اس امانت کی حفاظت بھی کریں اور اس امانت کو دوسروں تک منتقل کرنے کی کوشش بھی کریں۔

آج واقعہ یہ ہے کہ دنیا جن حالات کا شکار ہے، وہ جس کسمپرسی کے عالم میں ہے، انسانیت جس طرح گویا ہلاکت کے غار میں گرنے کے لیے تیار ہے، وہ کشتی یا وہ گاڑی جس پر انسانیت سوار ہے لگتا ہے کہ ایک ایسی ڈھلوان پر ہے کہ وہ کسی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے گی، مگر ہم سب کا حال یہ ہے کہ

پڑے سوتے ہیں بے خبر اہل کشتی

اس وقت پوری دنیا کا حال یہ ہے کہ جو جگانے والا ہے، جو بتانے والا ہے، جو صحیح رخ دینے والا ہے، جو انسانیت کے سفر میں مسافروں کو ان کی منزل تک پہنچانے والا ہے اور سفر کو مکمل کرنے والا ہے، سچی بات یہ ہے کہ یہ وہ امت ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیغام دیا ہے، اللہ نے یہ امانت اس امت کے سپرد فرمائی، الحمدللہ آپ اس امت کے ایک فرد ہیں اور آپ عمر کے اس مرحلہ میں ہیں کہ جو کام آپ کر سکتے ہیں، وہ شاید کوئی دوسرا نہیں کر سکتا،

اس وقت سب سے بڑھ کر یہ ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے، انسانیت کی ذمہ داری، ساری دنیا کی ذمہ داری اور خاص طور پر اس ملک کی ذمہ داری، اس وقت پورے ملک میں جو سماجی بگاڑ پیدا ہو رہا ہے، اس کو دور کرنے کی ذمہ داری، سماج سدھار کی مہم کو سر کرنے کی ذمہ داری اور انسانوں کو صحیح انسان بنانے کی ذمہ داری، انسانوں کو انسانوں سے جوڑنے کی ذمہ داری؛ ہمارے ان نوجوانوں پر ہے جو امت کا مستقبل ہیں اور حال بھی۔

آپ یہاں جتنی بھی تعداد میں موجود ہیں، آپ کی تعداد معمولی نہیں ہے، آپ اللہ کے رسول ﷺ کے دور کا جائزہ لیجیے، مکہ مکرمہ میں دو چار لوگوں سے کام شروع ہوا، قربانیوں کے ساتھ شروع ہوا، پھر مدینہ میں جو بیج پڑا؛ الحمد للہ بعد میں وہ ایک تناور درخت بنا۔ اس پس منظر میں آپ سے خاص طور پر میں یہ بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ وہ جو تعداد تھی؛ وہ نوجوانوں کی تعداد تھی، میں اکثر یہ بات کہتا ہوں کہ ۸۰ر فیصد صحابہ وہ ہیں جن کی عمریں بیس سال سے کم تھیں اور بیس فیصد صحابہ وہ ہیں جن کی عمریں بیس سال سے زیادہ تھیں۔ حضرت معاذ بن جبلؓ جن کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا:

"أعلمهم بالحلال والحرام معاذ بن جبل."(الترمذی: ٤١٦٠)

(معاذ بن جبل؛ صحابہ کرامؓ میں حلال وحرام سے سب سے زیادہ واقف ہیں۔)

ان کے بارے میں یہ بات بھی ارشاد فرمائی:

"يا معاذ! والله إني لأحبك."(سنن أبی داؤد: ١٥٢٤)

(اے معاذ! قسم بخدا مجھے تم سے محبت ہے۔)

یہ وہی حضرت معاذؓ ہیں جو کم عمری ہی میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

اسی طرح جلیل القدر صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی حضور کی وفات کے وقت تقریباً بیس سال کے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ جن کو ''حبر الامت'' اور ''ترجمان القرآن'' کہا گیا، اللہ کے نبی ﷺ نے ان کو دعا دی کہ

"اللّٰهم علّمه الكتاب والحكمة." (صحيح البخاري: ٣٧٥٦)

(اے اللہ! (ابن عباس) کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے۔)

یہ سب وہ حضرات صحابہ ہیں جن کی عمریں سترہ، اٹھارہ اور بیس بائیس سال کی تھیں بلکہ ان میں بعض تو وہ ہیں جن کی عمریں مزید کم تھیں، حضرت ابن عباس تو اس وقت بچے تھے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجلس میں بیٹھتے اور مشورہ فرماتے تو اس میں حضرت ابن عباس کو شامل فرماتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں نوجوانوں کی یہ وہ جماعت تھی جس نے اپنے ہاتھ میں علم لیا تو ساری دنیا میں ایک نیا انداز نظر آیا، اس وقت دنیا کی قومیں جن بربادیوں کی طرف جا رہی تھیں، اس وقت کا کلچر سڑ گیا تھا اور اس میں تعفن پیدا ہو گیا تھا، ان حضرات صحابہؓ نے اس سماج کو ایسا پاک وصاف بنایا اور دنیا کو ایک ایسی تصویر دکھائی کہ دنیا مسحور ہو گئی۔

میرے دوستو!

آج ضرورت اسی بات کی ہے کہ ہمارے نوجوان اس کے لیے تیار ہوں، اپنے اخلاق کے ساتھ، اپنے کردار کے ساتھ، اپنی گفتار کے ساتھ، اللہ نے جو صلاحیت بھی دی ہے بولنے کی، کہنے کی، سننے کی، لکھنے کی، آگے بڑھنے کی اور لوگوں کو سمجھانے کی، ہمیں اس صلاحیت کا استعمال کرنا ہے، آج دنیا اس کی ضرورت مند ہے، دنیا کے پاس کچھ نہیں، وہ بالکل خالی ہے، ہمارے اوپر ذمہ داری ہے کہ ہم اس پیغام کے ساتھ آگے بڑھیں جو حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو پیغام انسانیت ہے، سارے انسانوں کو صحیح رخ دینا، انسانوں کو انسان بنانا، ان کو محبت سے آشنا کرانا، ایک دوسرے کا دکھ درد دل میں پیدا کرنا۔

اللہ کے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس کی آخری مثالیں موجود ہیں، اپنوں کے ساتھ بھی اور اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی۔ میں اکثر عرض کرتا ہوں کہ جب مکہ مکرمہ میں قحط پڑا اور لوگ آخری درجہ میں فقر وفاقہ کا شکار ہوئے تو آپ

ﷺ نے ریلیف کا انتظام فرمایا، یہ انتظام ان دشمنوں کے لیے کیا جنہوں نے دشمنی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، وہ مدینہ طیبہ کی اینٹ سے اینٹ بجانا چاہتے تھے، مسلمانوں کو تہ تیغ کرنا چاہتے تھے، حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شہید کرنے کی بار بار پلاننگ کر چکے تھے، لیکن آپ ﷺ نے انہی کی مدد فرمائی اور بعض روایتوں میں ذکر ہے کہ پانچ ہزار دینار یا پانچ سو درہم چندہ کر کے بھیجے، اگر آپ آج کے حساب سے اس کی قیمت لگائیں تو لاکھوں میں جاتی ہے۔ پھر یہ کہ آپ نے وہ رقم حضرت عباس کو نہیں بھیجی جو آپ کے چچا تھے، بلکہ آپ نے ابوسفیان کے نام وہ رقم بھیجی جو اس وقت دشمنوں کے سردار تھے، حضرت ابوسفیان کو اللہ نے اخیر میں ایمان کی دولت سے سرفراز فرمایا۔ آپ ﷺ کی یہ وہ ادائیں تھیں اور یہ وہ طرز زندگی تھا جس نے دلوں کو موہ لیا اور دنیا بدل گئی۔

میرے دوستو اور بھائیو!

حقیقت میں ہم لوگ دلوں کو موڑنے والے ہیں، توڑنے والے نہیں، ہمارا کام دلوں کو صحیح رخ دینا ہے اور یہ اسی طرح ہوگا جب ہماری زندگی صحیح رخ پر آجائے گی اور ہمارے حالات بہتر ہوجائیں گے، اگر ہم اپنی عملی زندگی سے دکھائیں گے کہ ہمیں کون سا راستہ اختیار کرنا ہے اور ہمیں کون سا راستہ بتایا گیا ہے، ہم اسی راستے کے داعی ہیں، اسی راستے کے ترجمان ہیں، اسی راستے کو ساری انسانیت کے سامنے پیش کرنے والے ہیں۔

سچی بات یہ ہے کہ آج دنیا بڑی غلط فہمیوں کا شکار ہے، یہ غلط فہمیاں جو پیدا کی گئی ہیں، اس میں ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم لوگوں تک صحیح بات پہنچائیں اور کوشش کریں کہ اپنے طرز عمل سے پہنچائیں، اس لیے کہ انسان کے کردار کا اثر سب سے بڑھ کر پڑتا ہے، ہم اللہ کے نبی ﷺ کی امت میں ہیں، اگر ہم نمائندۂ رسول کہیں تو شاید غلط نہ ہو، لیکن آج ہم جو نمائندگی کر رہے ہیں، یہ وہ نمائندگی نہیں۔

ہمیں اپنے رخ کو درست کرنا ہے، ہمیں لوگوں کے سامنے محبت رکھنی ہے،

انسانیت کا پیغام رکھنا ہے اور اپنی زندگی سے یہ ثابت کرنا ہے کہ صحیح انسانیت کیا ہے؟ آج لوگ نشے میں گرفتار ہیں، طرح طرح کی پریشانیوں کا شکار ہیں، ان کا سکون غارت ہے، آج حال یہ ہے کہ لوگوں کے گھر جہنم کدہ بنے ہوئے ہیں، ایسی صورت حال میں ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ایک اچھی فضا قائم کریں، ایک اچھا سماج اور ایک اچھا معاشرہ Develop کریں اور لوگوں کو بتائیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کیا دیا ہے؟

اللہ کا فضل ہے کہ اللہ نے آپ کو جسم کی طاقت دی ہے، دماغ کی توانائی دی ہے، سوچنے کا سلیقہ دیا ہے اور شعور کی بیداری عطا فرمائی ہے، آپ اس کا فائدہ اٹھایئے اور لوگوں تک صحیح بات پہنچایئے، اپنی زندگی سے ان کو دکھایئے کہ وہ صحیح طریقہ کیا ہے جس کی آج دنیا کو ضرورت ہے، یہی انسانیت ہے اور یہی پیام انسانیت ہے۔

پیام انسانیت الگ سے کوئی چیز نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ پیام انسانیت' معلم انسانیت، رہبر انسانیت، محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی عملی زندگی کی تصویر ہے جو ہمیں اپنی زندگی میں اختیار کرنے کی ضرورت ہے، اگر ہم اپنی عملی زندگی سے اس کی دعوت دینے والے ہوں گے، پھر اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کیا ہے، اس کو سامنے رکھ کر جب ہم آگے بڑھیں گے اور اس کے نمونے ہم پیش کریں گے تو اس کا اثر ہوگا۔

آج دنیا پیاسی ہے، مگر ہم اس کی پیاس بجھانے کے لیے تیار نہیں، اس سے بڑھ کر افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمیں خود پیاس لگی ہے اور پانی ہمارے پاس رکھا ہے، لیکن ہم پینے کے لیے تیار نہیں، ضرورت ہے کہ ہم خود بھی پانی پئیں اور انسانیت کی اس پیاس کو بھی بجھانے کی کوشش کریں تو انشاء اللہ یہ دنیا جنت کدہ بن سکتی ہے جو اس وقت جہنم کدہ بنی ہوئی ہے، خودغرضی کی آگ بھڑک رہی ہے، ہر آدمی کو اپنی فکر ہے، نہ کسی کو اپنے بھائی کی فکر ہے، نہ خاندان کی فکر ہے، نہ اپنے شہر کی فکر ہے، نہ اپنے ملک کی فکر ہے اور نہ انسانیت کی فکر ہے، بس یہ فکر ہے کہ ہمارا بیلنس کیسے بڑھ جائے، ہماری دولت میں اضافہ کیسے

ہوجائے اور ہماری سہولتیں کس طرح سے زیادہ ہوجائیں۔ یاد رکھئے! ہمارا یہ طرز فکر اور یہ طرز زندگی اسلامی نہیں ہے، اسلامی طرز فکر تو ایثار وقربانی کا ہے، اسلامی طرز زندگی لینے کا کم اور دینے کا زیادہ ہے، اگر ہر آدمی دینے کا مزاج بنائے اور اللہ نے اس کو دینے کی پوزیشن ہی میں رکھا ہے، تو آپ دیکھیں گے کہ انشاء اللہ کس طرح حالات بدلتے ہیں۔

میں نے آپ کے سامنے شروع میں جو آیت پڑھی، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے خاص طور پر نوجوانوں کا تذکرہ فرمایا ہے، ایک زمانہ میں جب باطل عروج پر تھا، اس وقت اللہ کے کچھ بندے کھڑے ہوئے، اللہ نے انہیں حق کا راستہ دکھایا، جب وہ کھڑے ہوئے تو ان کی زندگی آسان نہیں تھی، گویا پوری طاقتیں ان کے پیچھے لگی ہوئی تھیں، لیکن اللہ نے ان کی غیر معمولی حفاظت کی، وہ غار میں گئے اور اللہ نے وہاں ان کو سلا دیا، پھر کئی سو سال کے بعد انہیں اٹھایا، اللہ نے ان کو ایمان کی ایک ایسی طاقت عطا فرمائی کہ وہ کہیں بھی ٹس سے مس نہ ہوئے، ارشاد ہے:

﴿إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى﴾ (الكهف: ۱۳)

(وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کو مزید سوجھ بوجھ سے نوازا۔)

اگر ہم بھی صحیح راستے پر چلیں گے تو انشاء اللہ ہمارے ساتھ بھی اللہ کی مدد ہوگی، خود ہماری زندگی بھی صحیح رخ پر آئے گی اور انشاء اللہ ہم دوسروں کے لیے بھی رہبر بنیں گے اور دوسروں کو بھی اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملے گا۔

ہم امید کرتے ہیں کہ آپ حضرات یہاں سے کچھ سیکھ کر جائیں گے، کچھ لے کر جائیں گے اور آپ کے ذریعہ سے بہت سے لوگوں کو ایک راستہ ملے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ قبول فرمائے اور اس کو خیر کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

۳؍نومبر ۲۰۲۴ء
تکیہ کلاں، رائے بریلی

کارکنان پیام انسانیت سے چند اہم گزارشات

عشق ہے پیارے کھیل نہیں ہے
عشق ہے کار شیشہ وآہنگ

اگر دیکھا جائے تو حقیقت میں پیام انسانیت کا کام انتہائی نازک ہے، اس میں ہمیں اپنے ایمان کی سلامتی اور اس کے چھوٹے سے چھوٹے تقاضے کو بھی پوری طرح محفوظ رکھنے کی فکر کرنی ہے، ہمیں کہیں اس میں معمولی سے معمولی بھی مداہنت گوارا نہیں ہے، یہ ہماری بنیاد اور اصل ہے۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے ایک مرتبہ اپنے خطاب میں یہ بات فرمائی کہ اس ملک میں ہم اپنے دین کے ایک معمولی نکتہ سے بھی دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں، اگر ہم سے یہ کہا جائے کہ تمہیں ٹخنے سے نیچے پائے جامہ پہننا ہے تو ہم اس کے خلاف بھی کھڑے ہو جائیں گے۔ اسی طرح اگر ہمیں کسی نفل سے بھی روکا گیا تو ہم یہ بات بھی گوارا نہیں کر سکتے۔ ہم اس ملک میں اپنی تہجد اور اپنی اشراق کے ساتھ رہیں گے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جو نظام زندگی عطا فرمایا، ہم اس کے ایک ذرہ سے بھی دست بردار نہیں ہو سکتے۔

میں اکثر یہ بات کہتا ہوں کہ آپ بہت اہتمام کے ساتھ بلڈ ڈونیشن کیمپ کر رہے ہیں، یا میڈیکل کیمپ کر رہے ہیں، اسی دوران آپ نے اذان کی آواز سنی اور آپ مسافر نہیں بلکہ مقیم ہیں تو آپ کے لیے جائز نہیں کہ آپ مسجد کی جماعت اس لیے چھوڑیں کہ آپ کسی بڑے اہم کام میں مصروف ہیں، نماز سے بڑھ کر اہم کوئی چیز نہیں۔ یاد رکھیں! اگر یہ توازن قائم نہ رہا تو کاموں میں برکت نہیں رہے گی، ہمیں ہمیشہ اس توازن کو باقی رکھنا ہے، دین کے ادنیٰ سے ادنیٰ نکتہ سے بھی ہم دست بردار نہیں ہو سکتے اور کسی اہم سے اہم مصلحت کے پیش نظر بھی ہم اس کو نہیں چھوڑ سکتے۔

بعض مرتبہ غیروں سے ملنے جلنے کے نتیجہ میں یہ تقاضا پیش آتا ہے کہ ہم ان کے مذہبی تہواروں میں شریک ہوں، گویا وہ اسی کو انسانیت سمجھتے ہیں، یاد رکھیں! ایسے مواقع پر ہمیں ان سے بالکل صاف بات کہنا ہے، قرآن مجید میں ہے:

﴿ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ☆ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ☆ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ☆ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ☆ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ☆ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ﴾ (الکافرون: ۱-٦)

(کہہ دیجیے اے انکار کرنے والو! میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں اور نہ مجھے اس کی عبادت کرنی ہے جس کی عبادت تم کرتے رہے ہو اور نہ تمہیں اس کی عبادت کرنی ہے جس کی عبادت میں کرتا ہوں، تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔)

ان سے ہمارے اتحاد کی کوششیں انسانی بنیادوں پر ہیں، ہم ایک ملک میں رہتے ہیں، ہم ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، ہمارے خون کا رنگ ایک ہے، ہمارے جسم کے تقاضے ایک ہیں، اس لیے ہمیں ایک دوسرے کا ساتھ دینا چاہیے، ایک دوسری کی مدد کرنی چاہیے اور انسانی بنیادوں پر ایک دوسرے کے قریب آنا چاہیے،

تاہم مذہبی بنیادوں پر ہم متحد نہیں ہو سکتے۔

یہ ایک انتہائی اہم اور حساس مسئلہ ہے، اگر ہم نے اس سلسلہ میں ذرا بھی تجاوز کیا مثلاً: ہم نے ان کے مذہبی جلوسوں میں پھول چڑھائے، یا ہم نے اس میں پانی پلایا، یا ہم نے اس موقع پر ان کا استقبال کیا، یاد رکھیں! ان کاموں کی اجازت بالکل نہیں، آپ ان جگہوں پر ملئے جو عوامی جگہیں ہیں، آپ جیلوں میں جایئے، اسکولوں میں جایئے، ہسپتالوں میں جایئے، جہاں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں اور آپ وہاں جا کر لوگوں کی خدمت کیجیے، لیکن کسی کے مذہبی پروگرام میں شریک ہونا بالکل درست نہیں، قرآن مجید میں اہل ایمان سے دوٹوک انداز میں یہ بات کہہ دی گئی کہ

﴿وَلاَ تَرْكَنُواْ إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُواْ فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللّهِ مِنْ أَوْلِيَاء ثُمَّ لاَ تُنصَرُونَ﴾ (هود: ۱۱۳)

(اور ظالموں کی طرف تمہارا جھکاؤ بھی نہ ہو ورنہ آگ تمہیں بھی پکڑ لے گی پھر اللہ کے سوا تمہارے حمایتی نہ ہوں گے پھر تمہاری مدد بھی نہ کی جائے گی۔)

اس میں شبہ نہیں کہ ہمیں اپنے برادران وطن کو قریب کرنا ہے، تاہم ان کے کسی مذہبی کام میں کسی طرح کا جھکاؤ یا کسی طرح کی مدد اور کسی طرح کا تعاون ہمارے لیے جائز نہیں، ہمیں اس سلسلہ میں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ پورے ملک میں جو لوگ بھی یہ کام کرتے ہیں، چاہے وہ پیام انسانیت کے عنوان سے کرتے ہوں یا کسی دوسری تحریک سے وابستہ ہوں، ان سے یہ غلطیاں ہوئی ہیں، کوئی جا کر مندروں میں صفائی کرنے لگا، کوئی مذہبی جلوس میں شریک ہو کر ہار اور پھول ڈالنے لگا، یاد رکھیں! اس بات کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ پیام انسانیت کے تمام کارکنان یہ باتیں کان کھول کر سن لیں اور ان لوگوں تک بھی یہ پیغام پہنچا دیں جو یہاں نہیں آئے، اگر خدانخواستہ ہم نے یہ عمل کیا تو یہ رکون ہے ان لوگوں کی طرف جو شرک میں مبتلا ہیں، اس کی قطعاً اجازت نہیں دی جا سکتی۔

بعض اوقات لوگوں سے زیادہ ملنے کے نتیجہ میں دل پر ایک غبار آجاتا ہے، ظاہر ہے آپ اہل شرک وکفر کے بیچ میں رہ رہے ہیں تو اس کے نتیجہ میں کبھی کبھی شرک کی نفرت کم ہوتی ہے، اس لیے ہمیں بار بار اپنا جائزہ لینے کی ضرورت ہے، اللہ نے ہمیں توحید کا جو تحفہ اور نعمت دی ہے، ہمیں اس کی قدر کرنی ہے، ہمیں اس کو باقی رکھنا ہے اور ہر حال میں اس کا تحفظ کرنا ہے۔

میں اکثر کام کرنے والوں سے یہ بات کہتا ہوں کہ آپ اذکار کا اہتمام ضرور کریں، درود شریف، استغفار اور کلمہ طیبہ کا ورد بہت ضروری ہے اور کام کرنے والوں کو اس کا ضرور خیال رکھنا چاہیے، ''لا الٰہ الا اللہ'' کا ورد اس لیے ضروری ہے کہ اس میں شرک کی نفی ہے، جب ہم اپنے برادران وطن کے ساتھ جاتے ہیں تو ان کے شرک کی گندگی سے یہ ڈر ہوتا ہے کہ خدانخواستہ اس کی کوئی چھینٹ ہمارے اوپر نہ پڑ جائے، کہیں اس کا کوئی اثر ہمارے دل ودماغ پر نہ آجائے، یا ہمارے فہم میں کوئی غلط بات پیدا نہ ہوجائے۔

ایک وضاحت یہ بھی ضروری ہے کہ تورات وانجیل یا جو دوسری آسمانی کتابیں ہیں، ہم ان کتابوں کو بنیادی طور پر مانتے ہیں، لیکن ایک طرف قرآن مجید ہے جو بالکل صاف ستھرا اور عربی زبان میں نازل ہوا ہے، اس کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی بھی کتاب ہو، اگر ہم اس کو مانتے ہیں تو ہم یہ بھی یقین کرتے ہیں کہ اس وقت سوائے قرآن کے اللہ کی کوئی کتاب باقی نہیں رہی، سب کے الفاظ بدل گئے، معانی بدل گئے اور ان میں ایسی تحریف ہوئی کہ کچھ باقی نہیں رہا، اسی طرح ہمارے برادران وطن کی بھی مذہبی کتابیں ہیں، ممکن ہے کہ ان میں بھی بہت سے ڈرانے والے رہے ہوں، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خلَا فِيهَا نَذِيرٌ﴾ (فاطر: ۲۴)

(اور کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں خبردار کرنے والا نہ گزرا ہو۔)

کیا بعید ہے کہ برادران وطن میں جو بڑے بڑے لوگ گزرے ہیں وہ نبی ہوں

لیکن آج نہ ان کی تعلیمات باقی رہیں اور نہ ہی ان کی کتابیں باقی رہیں۔ آج جو کتابیں ہمارے سامنے ہیں، ہوسکتا ہے کہ چند اصل باتیں رہ گئی ہوں، ہمارے بہت سے ساتھیوں نے اس میں سے چند ایسی چیزیں تلاش کر کے پیش کی ہیں جن کا تعلق توحید ورسالت اور آخرت پر ایمان سے ہے، لیکن اس کے باوجود ان کو آسمانی کتاب کا درجہ نہیں دیا جاسکتا، بس وہ چند باقی ماندہ چیزیں ہیں جن کو اگر ہم تلاش کر کے ایک وجہ مناسبت پیدا کریں اور کلمہ سواء کے طور پر پیش کریں تو بس اسی حد تک ممکن ہے، لیکن اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ جس طرح قرآن مجید کو وضو کر کے چھوا جاتا ہے، اسی طرح ان کتابوں کو بھی عظمت دی جائے، تو یہ بالکل لغو بات ہے، اس سلسلہ میں ہمارا ذہن بالکل صاف ہونا چاہیے۔

ہمارا دین سب سے بڑھ کر ہے، اللہ نے ہمیں قرآن مجید کی شکل میں کتاب عطا کی، اس نے ہمیں جو شریعت دی وہ ہمارے لیے سب سے بڑی سوغات اور سب سے بڑی امانت ہے، ہمیں اس کی حفاظت کرنی ہے۔

پیام انسانیت کے ایک خادم کی حیثیت سے پوری طاقت کے ساتھ میں آپ سے یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ ہم سے کہیں بھی یہ غلطی نہ ہو۔ یہ بڑی نازک بات ہے، ہمیں بار بار ملنا ہے، ہمیں مدارات کا عمل کرنا ہے، لیکن مدارات ومداہنت میں فرق ہے، مداہنت جائز نہیں، یہاں تک کہ موالات کے متعلق بھی قرآن مجید میں صاف ممانعت ہے، اسلام میں مدارات کی اجازت ہے، اس کے لیے بہتر سے بہتر اخلاق اختیار کیے جائیں اور اس میں اللہ کے نبی ﷺ کی مبارک سیرت ہمارے لیے نمونہ ہے۔

ہم اپنے برادران وطن سے مدارات کریں اور اچھے اخلاق سے پیش آئیں لیکن ان سے دل کی دوستی رکھنا بہت خطرناک بات ہے، خدانخواستہ یہ محبت یہاں تک نہ پہنچ جائے کہ ان کا طریقہ اچھا لگنے لگے، جیسے آج اس دور میں ہو رہا ہے، ہماری بہت سی بچیاں اور نوجوان بچے پوری طرح دل متوجہ کرنے کے بعد ان کے شرکیہ اعمال کو قبول

کر لیتے ہیں اور ارتداد کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ہمارے دلوں میں شرک کی ایسی نفرت ہونی چاہیے جیسے پاخانے سے نفرت ہوتی ہے۔ حضرت مولاناؒ کہتے تھے کہ شرک سے اس حد تک نفرت ہونی چاہیے کہ اگر رات کو آدمی خواب میں دیکھ لے تو چیخ نکل جائے، حدیث میں بھی اس کا ذکر ہے کہ حقیقت میں ایمان کی حلاوت اس شخص کو نصیب ہوتی ہے جو شرک سے اسی طرح دور بھاگتا ہو جیسے آگ میں ڈالے جانے سے۔

کام کرنے والوں پر اس کی اہمیت کو سمجھنا اور سمجھانا فرض ہے، میں صاف کہتا ہوں کہ ہماری جان رہے یا نہ رہے، لیکن سب سے بڑھ کر ہمارا ایمان ہے، اگر ایمان ہے تو سب کچھ ہے اور خدانخواستہ اگر ہمارا ایمان خطرہ میں پڑا تو کچھ نہیں۔

دوسری اہم بات یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ سے کام لے رہا ہے، یاد رکھیں! یہ ایک بہت بڑا کام ہے، اس کام کو اللہ کے نبیوں نے کیا، آپ اس کی اہمیت کو سمجھیں، انسانیت کی بات کوئی معمولی نہیں، اگر آپ سے کوئی یہ پوچھے کہ پیام انسانیت کا مقصد کیا ہے اور آپ یہ کام کیوں کر رہے ہیں؟ تو آپ صرف ایک جملہ میں یہ جواب دیں کہ

"یہ انسانوں کو انسانوں سے جوڑنے کا کام ہے۔"

اب اگر کوئی یہ پوچھے کہ آپ انسانوں کو انسانوں سے کیوں جوڑتے ہیں؟ تو ان سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر انسان انسان کا دشمن بن کر رہے گا تو یاد رکھئے! یہ دنیا جہنم بن جائے گی، آتش کدہ بن جائے گی، یہاں جینا مشکل ہو جائے گا، ہر ایک کا سکون غارت ہو جائے گا اور انسان صحیح زندگی سے محروم ہو جائے گا، اس لیے ہم انسانوں کو انسانوں سے جوڑنے کا کام کرتے ہیں۔

یہ ایک بہت اہم کام ہے، اگر آپ یہ کام کریں گے تو انشاء اللہ اس سے ایک فضا بنے گی، اس سے حالات سازگار ہوں گے بلکہ آپ جس زمین پر کھڑے ہیں' اس کام سے وہ زمین ہموار ہوگی اور زلزلوں کا خطرہ کم ہو جائے گا، لیکن اگر خدانخواستہ آپ یہ کام نہیں کریں گے تو آپ جس زمین پر کھڑے ہیں، اس کا کچھ بھروسہ نہیں کہ کس

وقت زمین میں زلزلہ آجائے اور کون سا طوفان آجائے، پھر نہ ہمارے یہ مدرسے باقی رہیں، نہ ہماری یہ تحریکات اور نہ یہ ہمارے کام۔

آج جو لوگ فضا خراب کر رہے ہیں اور زمین پر زلزلہ لانا چاہتے ہیں، شاید وہ یہ بات نہیں جانتے کہ اسی زمین پر ان کے مکانات بھی ہیں اور وہی زمین ان کی تمام کوششوں کا محور ہے، اس لیے ہمیں ان کو یہ باور کرانا ہے کہ آپ جو کر رہے ہو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟! ہمیں امن وامان پیدا کرنا ہے، ہمیں انسانیت پیدا کرنی ہے، ہمیں محبتیں پیدا کرنی ہیں، لیکن وہ سارے حدود اپنی جگہ پر جن کا ابھی تذکرہ کیا گیا، ہمیں ان حدود کے ساتھ آگے بڑھنا ہے۔ اگر یہ محنت جاری رہی تو انشاء اللہ اس کے بہتر سے بہتر نتائج بھی ہمارے سامنے آئیں گے۔

تیسری اہم بات یہ کہ ہمیں جو کام بھی کرنا ہے وہ اللہ کے لیے کرنا ہے، حقیقت میں یہ سب کام اللہ کی رضا کے لیے ہیں، اخلاق کا بہتر ہونا اللہ کے نبی ﷺ کی سب سے بڑی سنت ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ (القلم: ٤)

(اور یقیناً آپ اخلاق کے بلند ترین مقام پر فائز ہیں۔)

ہمیں یہ سمجھ کر عمل کرنا ہے کہ ہم اللہ کے نبی ﷺ کے راستے کو اختیار کر رہے ہیں، اگر ہم یہ نیت کریں گے اور اللہ کی رضا کو پیش نظر رکھیں گے تو انشاء اللہ ہمارے کاموں میں برکت ہوگی، لیکن اگر ہم اس لیے اخلاق برت رہے ہیں کہ فلاں ہم سے خوش ہو جائے تو اس سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں، اگر ہمارے ذہن میں یہ بات ہے کہ فلاں ہم سے خوش ہو جائے تو اس کا مقصد بھی یہی ہونا چاہیے کہ شاید اس طرح فلاں کے سامنے دین کی ایک اچھی تصویر چلی جائے، ہمارے اخلاق سے ان کے دل خوش ہوں گے اور اس کے نتیجہ میں ممکن ہے کہ وہ ہم سے قریب ہوں اور ان کو دین سیکھنے کا موقع ملے، پھر کم سے کم درجہ یہ ہے کہ اسلام کے متعلق ان کی غلط فہمیاں دور

ہوں، یقیناً یہ بھی اللہ کی رضا کا ایک عمل ہے اور اس پر بھی اللہ کے یہاں اجر ملے گا، لیکن اگر خدانخواستہ ہمارا مقصد کچھ اور ہو، ذاتی طور پر فائدہ اٹھانا ہو یا جماعتی طور پر تو ظاہر ہے یہ اخلاص سے بالکل ہٹی ہوئی بات ہے، ہمیں اپنی نیتوں کو درست کرنا ہے کہ ہم اپنا ہر کام اللہ کی رضا کے لیے کر رہے ہیں۔

خدمت خلق کا عمل فی نفسہ کوئی معمولی کام نہیں ہے، ہمیں تو اس کا حکم ہے کہ

"خالق الناس بخلق حسن."(مسند أحمد: ۲۲۷۰۹)

(لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔)

حقیقت میں خدمت خلق کا کام رضائے الٰہی کا ایک ذریعہ ہے، اس کا نتیجہ ہمارے سامنے آئے یا نہ آئے، ہم یہ کام اس لیے کرتے ہیں کہ یہ حکم نبوت ہے اور ہمیں اس کے ذریعہ اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ ہمیں اپنی نیت کو درست کرنا ہے، اخلاص کے ساتھ کام کرنا ہے اور اللہ کی رضا کے لیے کرنا ہے۔

اخلاص کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ جب اخلاص ہوتا ہے تو پھر ٹکراؤ کی شکلیں کم سے کم ہوتی ہیں، میں اکثر یہ بات عرض کرتا ہوں کہ اگر آدمی اخلاص کے راستے پر گامزن ہو جائے تو پھر اس کا راستہ بالکل الگ ہو جاتا ہے، پھر اس کا کسی سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا، جس طرح اوپر سے گزرنے والی سواریوں کا ٹکراؤ زمین پر گزرنے والی سواریوں سے نہیں ہوتا ہے۔ یاد رکھیں! دنیا کے مفادات ٹکراتے ہیں لیکن آخرت کے مفادات نہیں ٹکراتے، اس لیے کہ اللہ کے یہاں کوئی کمی نہیں، آپ جتنا لینا چاہو لے لو اور دوسرا جتنا لینا چاہے وہ بھی لے لے، دنیا میں یہ بات پیش آتی ہے کہ اگر ایک منصب فلاں کو مل گیا تو دوسرے کو نہیں مل سکتا، لیکن اللہ کے یہاں کوئی کمی نہیں، وہ ہر ایک کو اتنا زیادہ دے گا اور وہ اتنا زیادہ دے سکتا ہے کہ وہاں کوئی کمی نہیں۔

آدمی کے پیش نظر جب اللہ کی رضا اور آخرت کا اجر ہوگا تو پھر اس کا دل بھی صاف ہوگا کہ وہ اجر ہم سے کون چھین سکتا ہے؟! اگر یہاں کسی نے ہمارا منصب لے

لیا، اگر یہاں کسی نے ہمارا طریقہ لے لیا، تو وہ ہزار بار لے لے، ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا، ہمارا اجر تو اللہ کے یہاں محفوظ ہے۔ آخرت کی فکر اور احتساب زندگی کا جذبہ ایک بنیادی بات ہے، اگر یہ چیز ہمارے پیش نظر ہے تو کم سے کم ٹکراؤ ہوگا۔

میں اکثر ایک بات کہتا ہوں کہ جب برتن ایک ساتھ رکھے جائیں تو ان میں آواز ہوتی ہے، آواز کی حد تک یہ بات درست ہے، تاہم برتنوں کو ٹوٹنے مت دیجیے، کسی نے یہ بات کہی کہ اگر اصول ٹوٹتے ہوں تو ٹوٹ جائیں لیکن افراد نہیں ٹوٹنے چاہیے، حقیقت میں یہ بات پوری طرح صحیح نہیں ہے، بعض اصول تو ایسے ہیں جن کو ہم نہیں توڑ سکتے، جیسا کہ بعض اصول ابھی ذکر کیے گئے، اگر ہم خدانخواستہ مداہنت تک پہنچ گئے اور یہ سوچ کر پہنچیں کہ فلاں کا دل نہ ٹوٹے اور فلاں ہمارے ہاتھ سے نکل نہ جائے تو بڑے خطرہ کی بات ہے، اس لیے ہمیں بنیادی اصول کو ہر قیمت پر باقی رکھنا ہے، اگر ان کے مقابلہ میں ایک دو فرد نہیں بلکہ قوموں کی قومیں ٹوٹ جائیں تو ہمیں پرواہ نہیں، کیا ہم اس کی خاطر توحید چھوڑیں گے؟ کیا ہم اس کے لیے کوئی بنیادی اصول چھوڑیں گے؟ ہاں! بعض ایسی اصولی چیزیں بھی ہوتی ہیں جنہیں ہم نے وضع کیا ہے اور وہ معمولی چیزیں ہیں، اب اگر کہیں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ فلاں آدمی بڑا قیمتی ہے، تو اصول میں کچھ ترمیم ممکن ہے، لیکن اس میں بھی مشورہ ضروری ہے، ایسا نہ ہو کہ آپ نے اپنے طور پر کوئی تبدیلی کر لی اور وہ نامناسب ہو۔

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ ایک نکتہ کی بات فرماتے تھے کہ میں کبھی کبھی کام کو باقی رکھنے کے لیے تھوڑا سا تنازل اختیار کر لیتا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کام بیس فیصد ہوتا' میں انیس فیصد پر آجاتا ہوں تاکہ وہ کام ٹوٹنے نہ پائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر آپ بیس فیصد پر اصرار کریں گے تو خطرہ ہے کہ جو انیس فیصد ہونے والا ہے' وہ بھی ہاتھ سے جائے گا۔ بلاشبہ یہ بڑی حکیمانہ بات ہے، اگر کہیں اس کی ضرورت پڑ جائے تو ہمیں اس کا خیال رکھنا چاہیے۔

انسانوں کے مزاج الگ الگ ہوتے ہیں اور مزاجوں کا بدلنا آسان نہیں ہوتا، اب اگر ہر شخص اپنے مزاج پر اصرار کرے تو پھر اس سے آپس کے انتشار کا خطرہ ہوتا ہے، اس لیے ہمیں اپنے مزاج میں امالہ کرنا چاہیے اور دوسرے کی بات کی بھی قدر کرنی چاہیے تاکہ ایسا نہ ہو کہ اصرار کی وجہ سے انتشار پیدا ہو جائے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اصرار ہی سے انتشار پیدا ہوتا ہے۔ بعض مرتبہ بہت معمولی بات، بہت معمولی فائدہ اور بہت معمولی فرق ہوتا ہے، ایسی صورت میں اپنی رائے پر اصرار نہیں کرنا چاہیے، اگر تھوڑا سا تنازل اختیار کر کے بات آگے بڑھا دی جائے تو انشاء اللہ کام میں آسانی پیدا ہوگی۔

اگر ہم ان چند اہم اور بنیادی باتوں کا خیال رکھیں گے تو انشاء اللہ ہمارے ساتھ اللہ کی مدد شامل حال ہوگی، انشاء اللہ راستے کھلتے چلے جائیں گے اور ہمیں مسائل کا سامنا کرنا نہیں پڑے گا۔

اس وقت ملک کی جو صورت حال ہے، اگر آج بھی خدانخواستہ ہم اس کام کے لیے تیار نہ ہوئے، ہم اس کے لیے کھڑے نہ ہوئے اور ہم نے اپنے وقت کو اس کے لیے فارغ نہ کیا تو یہ بہت بڑی خیانت ہوگی۔ آپ یہ بات اچھی طرح سن لیجیے کہ ہمارے سارے کام ایک طرف اور ان کی ساری اہمیت ایک طرف لیکن اگر آپ نے اس کام کے لیے اپنا کچھ وقت فارغ نہ کیا تو ہمارے سارے کام خطرہ میں ہیں۔

آپ اپنے وقت کو ضرور فارغ کیجیے، کم از کم ہر علاقے میں ایک دو افراد ایسے ضرور ہوں جو اس کام کے لیے کلیۃً فارغ ہو جائیں، آپ ایسے افراد کو منتخب کیجیے، آپ یہ دیکھئے کہ اس کام سے کس کو زیادہ دلچسپی ہے اور اس کے لیے کون آگے آ سکتا ہے، پھر اگر اس کے سامنے کچھ مالی مسائل ہیں، وہ کہیں مدرس ہے یا وہ کسی کام سے وابستہ ہے اور اس کو تھوڑی بہت تنخواہ ملتی ہے، تو آپ یہ طے کر لیجیے کہ ہم اس کو فارغ کر دیتے ہیں اور اس کے اخراجات کا ذمہ ہم لیتے ہیں، اگر دس بیس آدمی بھی یہ طے کر لیں تو کوئی مشکل کام نہیں، لیکن ایسے آدمی کو فارغ کیا جائے جو کام کو پہلے سے سمجھا ہوا ہو اور اس میدان میں وہ آگے بڑھ رہا ہو لیکن اس کے مشاغل اس کی راہ میں رکاوٹ بن رہے

ہوں، وہاں کے علاقے والوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے مشاغل سے اسے چھٹکارا دلادیں تاکہ وہ اس کام کے لیے یکسو ہو جائے، اگر ہر علاقے میں ایسے افراد تیار ہو جائیں تو انشاءاللہ کام کرنے میں بڑی سہولت ہوگی۔

بعض مرتبہ بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بھی آتی ہے کہ اگر ہم اس کام پر تنخواہ لیں گے تو یہ اللہ کے لیے نہیں ہوا، ان کے لیے میں یہ عرض کرتا ہوں کہ حضرت صدیق اکبرؓ سے بڑھ کر کون ہوگا؟ جب خلافت کے بعد وہ کاروبار کے لیے جانے لگے تو حضرت عمرؓ نے ان کا دامن پکڑ کر روکا اور فرمایا کہ آپ کو پورا وقت دینا ہے، اس کے بدلہ میں آپ کو بیت المال سے معاوضہ دیا جائے گا تاکہ آپ کے ضروری اخراجات پورے ہو سکیں، پھر وہ معاوضہ بھی بہت معمولی متعین ہوا، قصہ مشہور ہے کہ جب ان کی اہلیہ نے میٹھا پکانے کے لیے کچھ پیسے جمع کیے تو انہوں نے حساب لگا کر وہ پیسے بھی کم کرا دیئے، اب ظاہر ہے کہ اس اعلیٰ درجہ کی صدیقیت پر کوئی فائز نہیں ہو سکتا لیکن ہمیں یہ سبق ضرور ملتا ہے کہ اگر کوئی تنخواہ لے کر کام کر رہا ہے اور وہ اللہ کے لیے کر رہا ہے تو وہ اپنی نیت کو درست رکھے، وہ تنخواہ کے لیے کام نہ کرے، وہ تنخواہ کو نہ دیکھے بلکہ کام کی ضرورت کو دیکھے اور آگے بڑھتا چلا جائے۔ بعض بڑے شہروں میں جہاں لوگ اپنے کاموں میں بہت زیادہ مشغول ہیں اور ان کے پاس فرصت نہیں، ایسی جگہوں پر اس طرح کے افراد کو کھڑا کرنے کا انشاءاللہ غیر معمولی فائدہ ہوگا۔

سچی بات یہ کہ اس وقت ملک کے ان حالات میں اس کام کی اہمیت بہت زیادہ ہے، اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے، آپ یہاں سے اس پیغام کو لے کر جائیے، آپ یہ طے کر کے جائیے کہ یہاں جو نظام بنا، یہاں جو تجاویز پیش ہوئیں، یہاں جن عزائم کا اظہار کیا گیا، ایسا نہ ہو کہ یہ سب یہیں رہ جائے اور آپ جانے کے بعد اپنے کاموں میں اس طرح مشغول ہو جائیں کہ یہ ساری چیزیں فراموش ہو جائیں۔ یاد رکھئے! اب فراموش کرنے کا موقع نہیں ہے، اب آپ کے پاس وقت بہت کم ہے، اگر آپ نے ارادہ کیا اور آپ آگے بڑھے تو یہ ملک کو بدلنے والی اور خطرات کو دور کرنے والی بات ہے۔

اس وقت انسانوں کا ایک جنگل ہے اور بہت سے انسان جانوروں کی شکل اختیار کرتے چلے جارہے ہیں، ہمیں ان کو پکارنا ہے، انسانیت کی دہائی دینی ہے، انسانیت کی طرف انہیں لانا ہے اور انسان بہرحال انسان ہے، اس کے اندر ایک دھڑکتا ہوا دل ہے، جب آپ اس سے محبت کی بات کریں گے، لگاؤ کی بات کریں گے اور انسانیت کی بات کریں گے تو یہ ایسی چیز ہے کہ سخت سے سخت ذہن رکھنے والا بھی پسیج جاتا ہے۔ ہمارے سامنے اس کے دسیوں واقعات ہیں، ایسے لوگ جن کے بارے میں تصور مشکل تھا کہ یہ قریب آسکتے ہیں لیکن جب انسانیت کی بات کہی گئی اور ان کے سامنے خدمت کا کچھ کام آیا تو ان میں غیر معمولی تبدیلی نظر آئی اور بعض مرتبہ پورے علاقے پر اس کا ایک اثر نظر آیا۔

اس وقت بڑی سطح پر کام کرنے کی ضرورت ہے، جگہ جگہ چراغ جلانے کی ضرورت ہے، جب جگہ جگہ چراغ جلیں گے تو انشاء اللہ جنگل میں بھی روشنی ہوگی اور تاریکیاں چھٹ جائیں گی، اگر آپ نے طے کرلیا کہ اپنے اپنے علاقوں میں آپ کو انشاء اللہ چراغ جلانے ہیں، انسانیت کے وہ چراغ جلانے ہیں جو انشاء اللہ ایک دن ایمان کے چراغ ثابت ہوں گے اور اس کے ذریعہ سے روشنی پھیلے گی تو کیا بعید ہے کہ اللہ آپ سے وہ کام لے جو حضرت امام سرہندیؒ سے لیا اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ سے لیا، اللہ نے ان سے جو کام لیا' یہ ان کے اخلاق کی برکت اور کرامت تھی کہ اللہ نے ان کے ذریعہ سے ہدایت عامہ کے فیصلے فرمائے۔

ہم طے کریں کہ اپنے اخلاق سے لوگوں کے دلوں کو جیتیں گے، کیا بعید ہے کہ اللہ ہمارے لیے اس کو ترقی کا ذریعہ بنائے، اپنے قرب کا ذریعہ بنائے، اس ملک میں ہم سے بڑا کام لے اور اس ملک کی تقدیر بدل جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے اور اس اجتماع کو انتہائی مفید بنائے، اس کو قبول فرمائے اور خیر و برکت کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمين